دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

Regd. # MC-1366

• جلد 12 / • شمارہ 7 / • فروری / 2023

ماہنامہ فہمِ دین

مشکل کُشا

خوفناک تصادم

یادوں کا قبرستان

بہادر گھڑ سوار

نوٹوں کا درخت

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

فہمِ دین

ماہ نامہ | کراچی

فروری 2023

فہم وفکر

خوفناک تصادم	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللّٰہ	08

مضامین

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	10
حاتم طائی کی بیٹی	ندا اختر	12
کشمیر کی مائیں	ام عبد اللہ	12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	14
مقصد زندگی	عمارہ فہیم	15
امراض جگر	حکیم شمیم احمد	16
بھوک کے خوف میں سکون	مہوش کرن	18

خواتینِ اسلام

شجر طیب	ام نسیبہ	20
یادوں کا قبرستان	تنزیلہ یوسف	21
قسمت کے کھیل	بنت محمود	22
ناقابل شکستہ	بیگم ناجیہ شعیب	25
آدابِ زندگی	بنت مسعود	27

باغچہ اطفال

نوٹوں کا درخت	مہوش اسد شیخ	30
بہارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ڈاکٹر الماس روحی	31
انوکھی ورک شاپ	حفصہ فیصل	32
بہادر گھڑ سوار	بنت تاجور	33
پانڈا	فوزیہ خلیل	33
سنہری ملکہ	تنزیلہ احمد	34
انسان دوست درخت	سمیرا انور	35
جاسوس بلی	محمد فیصل علی	36
شریر ٹونی	سائرہ شاہد	37

بزمِ ادب

اِک آنکھ محبت کی پتلی، نگران بناڈالی اُس نے	حمیدہ شاہین	42
پڑھتا ہوا محشر میں جب صلِّ علیٰ آیا	مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ	42
گلدستہ	شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے
سالانہ اندرونِ ملک	
عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرونِ ملک	55 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان
آؤ کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

BAITUSSALAM

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

Overseas donors
MONTHLY $ 10
YEARLY $ 120

ممبرشپ
ماہانہ 1000 روپے
سالانہ 12,000 روپے

ادائیگی کے 2 طریقے

1. بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2. تمام نئے ممبران کو 99911 سے ہر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کردی گئی ہو تو اسے نظر انداز کردیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

کارڈز: VISA PayPak
موبائل والیٹ: easypaisa, Upaisa

اے ٹی ایم کے لیے
bill payment >1bill Voucher / Invoice Payments>

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

ایک بڑا منصوبہ

Baitussalam USA بیت السلام
PayPal
PayPal.me/BaitussalamUSA
Zelle
donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے
بیت السلام کے دفاتر
بیت السلام موبائل ایپ
بیت السلام ویب سائٹ
111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں
مثلاً 111 TALHA

ایک ایسا خوف ناک تصادم، جس میں کیا ہم بچ پائیں گے ؟ یہ آج کا سوال ہے۔ اسلامی تہذیب کی بقا کا سوال۔
گلاب کے تروتازہ پھول سے اس کے روندے جانے تک کی کہانی بڑی بھیانک اور ڈراؤنی ہے۔ اس ایک پھول میں دو تہذیبوں کا تصادم ہے۔

اسلام اس پھول کو بچانا چاہتا ہے اور مغرب اس پھول کر مَسَل دینا چاہتا ہے۔ یہ ایک دِن کی جنگ نہیں ہے۔ ویلنٹائن ڈے تو دیگر میچوں اور مقابلوں کی طرح پاور شو کا ایک دِن ہے کہ دیکھا جائے اسلامی تہذیب میں مغرب کے مقابلے کی کتنی طاقت ابھی باقی ہے ؟ ورنہ تو یہ ہر روز اور پورے سال کا مقابلہ ہے۔
ایک طرف اسلام ہے، حِزبُ اللہ، اللہ کے ماننے والوں کا گروہ ہے اور دوسری طرف مغرب، حزبُ الشیطان، خدا کے منکروں کی جماعت ہے۔
اور یہ مقابلہ کسی ایک میدان میں نہیں، معاشی، سیاسی، تہذیبی، غرض زندگی کے ہر میدان میں ہے۔

ویلنٹائن ڈے یہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کو تباہ کرنے کی کوشش ہے، یہ اسلام کے خاندانی نظام پر حملہ ہے، یہ عورت کو حیا باختہ کرنے کی کوشش ہے، یہ مسلمان نوجوانوں کے بے راہ روی میں مبتلا کرنے کی سازش ہے، یہ ایک گلاب کا پھول نہیں ہے، اس کے پیچھے عصمت و عفت کا جنازہ ہے، یہ وقتی تفریح معصوم کلی کو کھلنے سے پہلے ہی مسلنے کی مذموم کوشش ہے، یہ مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب پر خطرناک وار ہے۔ کیا ہم اس سے بچ پائیں گے ؟ یہ آج کا سوال ہے۔ کیا ٹیکنالوجی اور ترقی کے جلو میں حملہ آور ہونے والی مغربی تہذیب کے اس وار کو ہم سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں ؟

قارئینِ گرامی ! تعلیمی ادارے اُن کے ہاتھوں میں ہیں، معصوم ذہنوں کی آبیاری اُن کے اداروں میں ہو رہی ہے، نصابی کتابیں مغربی اداروں کی تیار کردہ ہیں، ویلنٹائن ڈے کا تہوار انھی اداروں میں منایا جاتا ہے، سالہاسال سے نوجوان ذہن ایسی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جس سے ان کا اندر کا مسلمان بالکل مردہ اور قتل ہو جاتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کو نہیں سنا آپ نے :

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بس اسکول کالج ہوں تو کسی اور قتل گاہ کی کیا ضرورت ؟ والدین بھی مطمئن ! جو سمجھائے، وہ ناسمجھ تعلیم کا دشمن ! مسلمانوں کے بچوں کا ایسا قتلِ عام تو فرعون بھی نہ کر سکا، پوری کی پوری قوم زندہ ہونے اور مسلمان کہلانے کے باوجود اسلام سے بے زار اور ویلنٹائن ڈے اور اس جیسے تہواروں کی دِل دادہ ! ماتم نہ کریں تو اور کیا کریں ؟ نہ جانے ہم ہوش کے ناخن کب لیں گے ؟ دو ٹکے کے پھول کی بولی" ویلنٹائن ڈے "میں ہزاروں روپے کیسے لگ جاتی ہے اور نادان نوجوان کیسے بے دریغ پیسا بہا دیتے ہیں ؟ صرف اس لیے کہ یہ پھول کی نہیں، عزت و عصمت کی نیلامی ہوتی ہے، یہ اسلامی تہذیب کو مسخ کرنے کی بولی لگتی ہے۔ سوال اب بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ اس خوفناک تصادم میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہم اپنا کردار کیا ادا کر رہے ہیں ؟ کیا ہم اپنی نئی نسلوں کو اسلامی تہذیب کا تحفہ ورثے میں دے سکیں گے ؟ ایک سرٹیفکیٹ کے لیے، صرف ایک ڈگری کے لیے، صرف چند ٹکوں کے لیے، صرف مادی منافع کے لیے کیا ہم اپنی نسلِ نَو کے ایمان سے بے خبر تو نہیں ہو گئے۔ ٹھیک ہے "ہم جنس پرستی" اور "زناکاری" جیسے بدنامِ زمانہ الفاظ اپنی اولاد کے لیے سننے سے ہی ہم کانپ جاتے ہیں، مگر کیا یہ پھولوں کا تبادلہ ہماری اولادوں کو اسی راستے کا مسافر تو نہیں بنا رہا، بس یہ ایک فکر مندی ہے جو آج کی محفل کا سوال ہے اور جواب کے لیے ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہو گا کہ اس خوفناک تصادم میں ہم کہاں کھڑے ہیں ؟ حزب اللہ میں شامل ہیں یا حزب الشیطان کے پشت پناہ ہیں۔

قارئینِ گرامی ! بے حیائی میں نڈر اور بے باک ہونے والی اولاد کو حیا کے زیور کی خود اعتمادی دیں۔ مغرب کی کھوکھلی تہذیب کی تباہ کاریاں اور اسلامی تہذیب کے خاندانی نظام کے محافظ ہونے اور نوجوانوں کی جوانیوں کے محافظ ہونے کی تعلیم بھی گھر میں ہونی چاہیے۔ ویلنٹائن ڈے میں جب گلاب کے پھول بے حیائی اور بدکرداری کی ہی علامت ٹھہرے تو پھر اُس دِن میں یہ پھول بہن، بیٹی، بیوی اور ماں کے لیے بھی خریدنے نہیں چاہیے، ان مقدس رشتوں سے اظہارِ محبت کا کوئی اور طریقہ ہونا چاہیے، تاکہ ہمارا شمار اس رسمِ بد کے خریداروں میں نہ ہو۔ اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی دینی تربیت کا بہت اہتمام کیا جائے، صرف ناظرہ قرآن خوانی پر اور پنج وقتہ نماز پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ علمائے کرام اور صلحائے عظام کی محافل میں انھیں لے جانے کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان کے دِلوں میں اسلام کی کلی مرجھانے کے بجائے تروتازہ اور تناور درخت بننے لگے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

المائدہ 16-21

فہمِ قرآن

يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 16

ترجمہ: جس کے ذریعے اللہ ان کو سلامتی کی راہیں دِکھاتا ہے، جو اس کی خوش نودی کے طالب ہیں اور انھیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ 16

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاۤءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 17

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے، وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی ! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابنِ مریم کو اور ان کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی طاقت رکھتا ہو ؟ تمام آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ 17

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۤؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۤؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ
بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۤءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ 18

ترجمہ: یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں (ان سے) کہو کہ پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمھیں سزا کیوں نہیں دیتا ؟ نہیں ! بلکہ تم انہی انسانوں کی طرح انسان ہو جو اس نے پیدا کیے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔ 18

تشریح نمبر 1: یہ بات یہود و نصاریٰ بھی مانتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے ہیں اور ان میں سے بہت لوگ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آخرت میں بھی کچھ عرصے کے لیے وہ دوزخ میں جائیں گے، لہٰذا بتانا یہ منظور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک جیسے پیدا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی خاص نسل کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہے اور اس کے قوانین سے لازمی طور پر مستثنیٰ ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین سب کے لیے برابر ہیں، اس نے کوئی خاص نسل اپنی رحمت کے لیے مخصوص نہیں کی ہے، البتہ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے بخش بھی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے قانونِ عدل کے تحت سزا بھی دیتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى
فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۤءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ
فَقَدْ جَاۤءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 19

ترجمہ: اے اہلِ کتاب ! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رکی ہوئی تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوش خبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔ لو اب تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ 19

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۤءَ
وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ 20

ترجمہ: اے میری قوم ! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمھیں حکم ران بنایا اور تمھیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا۔ 20

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ 21

ترجمہ: اے میری قوم ! اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے۔ 21

تشریح نمبر 2: مقدس سرزمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے، چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیائے کرام کو مبعوث کرنے کے لیے منتخب فرمایا تھا، اس لیے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے، جس واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا علاقہ تھا۔ فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا، جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا جو عمالقہ کہلاتے تھے، لہٰذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر عمالقہ سے جہاد کریں، مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی وعدہ کر لیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمھیں فتح ہو گی، کیوں کہ یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین روانہ ہوئے، جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتا چلا کہ عمالقہ تو بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔ دراصل یہ لوگ قومِ عاد کی نسل سے تھے اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے اور یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے۔

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دعا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیتِ کاملہ کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلیل، بندگی و سرافگندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے اس کے در کی فقیر و گدائی۔ اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقامِ عبدیت ہے جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیّدنا حضرت محمد ﷺ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں اور اسی لیے افضلِ مخلوقات واشرافِ کائنات ہیں۔

بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیدنا حضرت محمد ﷺ اس مقام کے امام یعنی اس وصفِ خاص میں سب پر فائق ہیں اور دعا چوں کہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت (بشرطیکہ حقیقی دعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دعا کا ہے اور امت کو آپ کے ذریعے روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں، ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیں یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔

دعا کا مقام اور اس کی عظمت

عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا عین عبادت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی: ”وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ الخ“ (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے، ان کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا)۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

تشریح: اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا عین عبادت ہے غالباً حضور ﷺ کے اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں، اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کام یاب ہوگیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی، بلکہ دعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصولِ مقصد کا ایک مقدّس عمل ہے، جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جب یہ معلوم ہوچکا کہ دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہوگئی کہ انسانوں کے اعمال واحوال میں دعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

دعا کی مقبولیت ونافعیت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَ مِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے اور ان حوادث میں بھی جو نازل ہوچکے ہوں اور ان میں بھی جو نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو! دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيَدُرُّ لَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَ نَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ (رواہ ابویعلیٰ فی مسندہ)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات اور دن میں کیوں کہ دعا مومن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔ (مسند ابویعلیٰ موصلی)

مشکل کُشا

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مادہ پرستی کے اس دور نے اور اس ذہنیت نے عبد اور معبود کا تعلّق بندے اور الہٰ کا تعلّق بہت کم زور کر رکھا ہے۔ عبد اور معبود کا تعلّق، بندے اور الہ کا یہ تعلّق اس میں بڑا اضمحلال ہے، کم زوری ہے۔ وہ تمام صفات جو اللہ کی تھیں، گویا مادّیت نے لے لی ہیں۔ یقین یہ ہوتا تھا کہ نفع اور نقصان کا مالک وہ ہے، وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور وہ چاہ لے تو سب کچھ ہو سکتا ہے، یقین ہوتا تھا کہ وہ ذات ایسی ہے کہ اتنا آدمی لے کر خوش نہیں ہوتا، جتنا وہ ذات مانگنے سے خوش ہوتی ہے۔ یہ یقین ہوتا تھا کہ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جو میری ضرورت ہے۔ یہ یقین ہوتا تھا کہ اگر میرا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے تو ایک اللہ کی ذات ہے۔ وہ نہ چاہے، سب چاہ لیں تو پھر بھی نہیں ہو گا اور وہ چاہ لے اور سب نہ چاہیں پھر بھی ہو جائے گا۔ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ

وہ مصیبت دینا چاہے تو کوئی اس مصیبت کو ٹال نہیں سکتا، ہٹا نہیں سکتا۔

وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ

وہ مہربانی کرنا چاہے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔

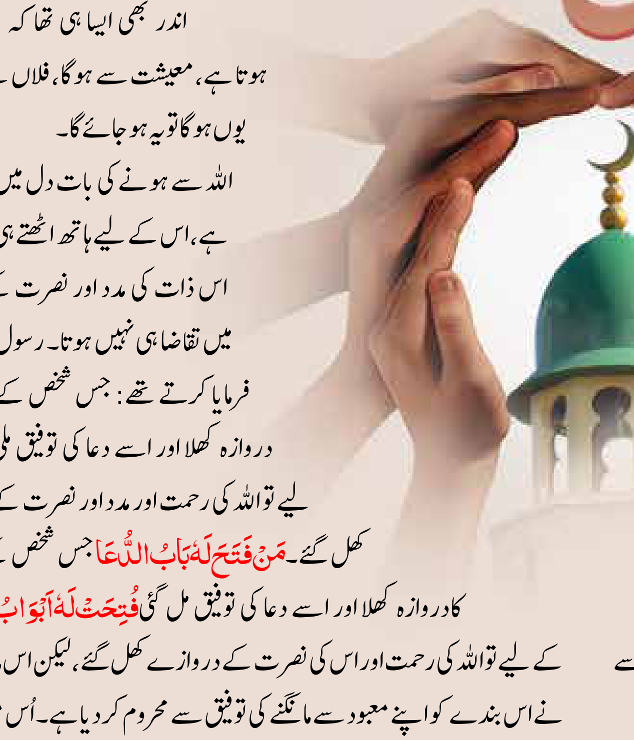

یہ یقین ہوتا تھا، اس کی معرفت بھی ہوتی تھی، اس پر یقین بھی ہوتا تھا۔ اس سے محبت بھی ہوتی تھی اس سے خوف بھی ہوتا تھا اور یہی وہ اندر کی چیزیں تھیں جو آدمی کو اللہ سے ہر گھڑی مانگنے پر کھڑا کرتی تھیں۔ دعا کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، دعا کا تقاضا ہوتا تھا، اب اس ذات کی معرفت نہیں، اس ذات پر یقین نہیں، اس سے محبت میں کمی ہے، اس کا خوف نہیں ہے تو زندگی میں آج فریاد بھی اس ذات سے نہیں، دعا بھی اس ذات سے نہیں، جو جس قدر مادّی نظریے سے اور مادّی ماحول سے متاثر ہے، اتنا ہی وہ دعا جیسی عبادت سے محروم ہے۔

ہاتھ ہی نہیں اٹھتے، اس سے فریاد ہی نہیں ہوتی، اس سے مانگنا ہی نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس نے مادّیت کی شکل میں حاضر کے اتنے الہٰ بنا رکھے ہیں۔ انھیں چھوڑ کر وہ غیر کی طرف کیسے جائے، جس سے اس نے اپنی مشکل کشائی کا عقیدہ بنا رکھا ہے، نظریہ بنا رکھا ہے، بلکہ اُس الہٰ کے تو پھر تذکرے بھی اچھے نہیں لگتے۔ دورِ جاہلیت میں اس کا ایک نقشہ قرآن نے کھینچا ہے: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ

جب اس ایک ذات کا تذکرہ آئے نا کہ وہ حاجت روا مشکل کشا ہے، خالق بھی وہی، مالک بھی وہی، مدبّر بھی وہی، سارا نظامِ کائنات بھی اس کے اختیار میں ہے۔ اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ فیصلہ اسی کا ہے۔

وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ

وہ چاہ لے ساری دنیا بھی مل جائے، اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی تو اس دورِ جاہلیت میں جب اس ایک ذات کا تذکرہ آتا تو لوگوں کے قلوب اس بات کو سننے کے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اور اگر اللہ کے علاوہ اوروں کا تذکرہ ہو، جیسے آج کے مادّیت کے دور کے نئے بت ہیں کہ اس سے میری مشکل دور ہو جائے گی۔

ہماری مشکلات یہاں سے ختم ہو جائیں گی، ہماری پریشانی یہاں سے ختم ہو جائیں گی۔۔۔ تو بتایئے؟ کتنی توجہ ہوتی ہے، بات سننے کا دل کرتا ہے، تذکرے ہوتے ہی رہیں۔۔۔ تو دورِ جاہلیت کے اندر بھی ایسا ہی تھا کہ معاش سے ہوتا ہے، معیشت سے ہو گا، فلاں سے ہو گا اور یوں ہو گا تو یہ ہو جائے گا۔

اللہ سے ہونے کی بات دل میں اترتی نہیں ہے، اس کے لیے ہاتھ اٹھتے ہی نہیں ہیں، اس ذات کی مدد اور نصرت کے لیے دل میں تقاضا ہی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھلا اور اسے دعا کی توفیق ملی، اس کے لیے تو اللہ کی رحمت اور مدد اور نصرت کے دروازے کھل گئے۔ مَنۡ فَتَحَ لَهٗ بَابُ الدُّعَا جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھلا اور اسے دعا کی توفیق مل گئی فُتِحَتۡ لَهٗ اَبۡوَابُ رَحۡمَةٍ اس کے لیے تو اللہ کی رحمت اور اس کی نصرت کے دروازے کھل گئے، لیکن اس مادّی ذہنیت نے اس بندے کو اپنے معبود سے مانگنے کی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ اُس معبودِ برحق کا نہ یقین رہا، نہ اس سے محبت رہی، نہ اس سے خوف رہا، نہ اس کی معرفت رہی۔ یہی تو دعاؤں کا سرچشمہ ہیں۔ یہ چیزیں اندر ہوتی ہیں تو آدمی دعا کرتا ہے کہ یہ یقین ہو کہ میری بگڑی اگر بن سکتی تو اس ذات کے فیصلے سے بن سکتی ہے۔ میرے مسئلوں کا حل ہے تو اس ذات کے پاس ہے، میرے لیے پریشانیوں کی نجات ہے تو اس ذات کے پاس ہے، ہماری ہر ضرورت اگر ہے تو اس ذات کے پاس ہے، یقین اندر ہوتا ہے، پھر بندہ اللہ سے دعا کر سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا کی تو یہ شان ہے کہ جو اللہ سے مانگتا ہے، صرف اللہ اس سے راضی ہی نہیں ہوتے اور نا مانگنے والے کو اللہ صرف محروم نہیں کرتے بلکہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ دعا نہ مانگنے والا صرف محروم نہیں ہوتا اللہ کے عضب کا مستحق ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کا دل اللہ کی معرفت سے خالی ہے، اللہ کی ذات پر یقین سے خالی ہے، اللہ کی محبت سے خالی ہے، اس کے خوف اور تعلّق سے خالی ہے۔

اس لیے تو اس ذات سے نہیں مانگتا، فرمایا: اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے، جو اس سے نہ مانگے اور جو اس سے جتنا زیادہ مانگے اتنا زیادہ اس سے خوش ہوتا ہے، کسی ایسے سخی کا دروازہ نہیں ملے گا، کوئی کتنی بار دے گا؟ آخر بے زار ہو جائے گا، لیکن اس کا در ایسا ہے جو جتنا اس کے در کا بھکاری بن کر جاتا ہے، اتنا ہی خوش ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الۡعِبَادَةِ دعا تو عبادت کا مغز ہے اور جو نہیں مانگتا، اس کے اندر تکبر ہے، اس کے اندر یہ گندگی موجود ہے۔ بڑائی کی، اس لیے دعا نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ یہ تکبر رکھتے ہیں، پھر جنت میں اللہ کی رضا ان کا ٹھکانہ نہیں، جہنم ان کا ٹھکانہ ہے تو ایک بہت بڑا عمل مسلمانوں کے پاس تھا، اللہ سے لینے کا اور مصائب اور پریشانیوں سے حفاظت کا پریشانی اور مشکلات سے نکلنے کا، دعا اسباب اور وسائل کافر بھی اختیار کرتا ہے اور مسلمان بھی اختیار کرتا ہے، لیکن مسلمان اپنے اسباب و وسائل جتنی اس کی قدرت ہوتی ہے، وہ کرنے کے بعد اللہ کا در کھٹکھٹاتا ہے، اللہ کے در پر دستک دیتا ہے اور اس کے سامنے فریاد رکھتا ہے اور اس سے اپنے فیصلے کرواتا ہے اور اس سے بات منواتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کی معرفت رکھتا ہے؟ کون آپ کی ذات پر یقین رکھتا ہے؟ کس کو آپ سے زیادہ محبت ہے؟ کس کے دل میں آپ سے زیادہ خشیت ہے؟ لیکن آپ کی زندگی میں جو چیز نظر آتی ہے، وہ قدم قدم پر اللہ سے فریاد ہے، ہر گھڑی اللہ سے مانگنا ہے، کوئی زندگی کا ایسا پہلو نہیں ملتا، جہاں آپ نے دعا نہ کی ہو۔ سبحان اللہ! کوئی پہلو نہیں ملتا، زندگی بھری ہوئی ہے آپ کی عبادت کی، اگر آپ کی پوری زندگی تقسیم کی جائے تو دو پہلو ہیں: ایک پہلو تو آپ کا ہے ختم نبوت! نبوت کا جامع ہونا اور دوسرا آپ کی زندگی میں عبادت کا کامل ہونا، عبودیت کا کامل ہونا اور اس کا نتیجہ ہے دعا۔ آپ عبادت میں کامل درجے پر تھے تو آپ کی ساری زندگی عبادت سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ آج اس مادّیت نے اور مادّی ذہنیت نے مسلمانوں کو جس چیز سے محروم رکھا ہے، وہ دعا اور اللہ کی فریاد سے محروم رکھا ہے۔

ایک مخلوق آپ کو نظر آتی ہے، ان سے ہاتھ بھی نہیں اٹھتے، ان کے دن نہیں مہینے نہیں سالوں گزر جاتے ہیں، کوئی خلوت اور تنہائی کی گھڑی ایسی نہیں ملتی، جس میں وہ اللہ سے فریاد کر رہے ہوں، اس لیے کہ انھیں اس ذات کے ملنے کا یقین ہی نہیں رہا اور جن چیزوں سے انھیں ہوتا نظر آتا ہے اور یقین ہے، بتایئے! وہ اپنی کیسی توانائیاں خرچ کر رہے ہوتے ہیں؟ کیسی صلاحیتیں لگا رہے ہوتے ہیں؟ اور کیا جتن کر رہے ہوتے ہیں؟ اور اسباب و وسائل کو حاصل کرنے کے لیے تو حالات کو سنوارنے کا یہ بھی تو بہت بڑا وسیلہ ہے کہ مسلمان اللہ کی طرف رجوع کریں، مسلمان اللہ کی مدد اور نصرت کو اپنی طرف متوجہ کریں، مشکلات سے پریشانیوں سے ناگواریوں سے نکلنے کا یہ بھی تو بہت بڑا وسیلہ ہے۔ وہ تو کافر ہوتا ہے، وہ تو مشرک ہوتا ہے، جو سو فیصد حالات سے نکلنے کا راستہ اسباب و وسائل کو سمجھتا ہے، مادّی نقشوں کو سمجھتا ہے، مسلمان ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے، جتنی قدرت ہوتی ہے، لیکن اپنے مولیٰ کا در کھٹکھٹاتا ہے، اس کے در پر دستک دیتا ہے، جتنی زیادہ زندگی میں ناگواری آئی، اتنا اس کی زندگی میں اللہ سے فریاد بڑھ گئی، اللہ کی طرف رجوع بڑھ گیا، پھر خیال آتا ہے، ایک بڑی رکاوٹ ہوتی ہے، وہ ذات تو دور ہے، اس کے سامنے میں اپنی مشکل کیسے پیش کروں؟ اور اس کو اپنی فریاد کیسے سناؤں؟

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيۡ عَنِّيۡ فَاِنِّيۡ قَرِيۡبٌ

ان سے کہہ دو! میرے بندوں سے کہہ دو! ساری مخلوق سے زیادہ بلکہ تیری شہ رگ سے بھی زیادہ وہ ذات قریب ہے، ہر مخلوق سے تیری شہ رگ سے بھی زیادہ وہ ذات قریب ہے۔ تیری ہر حالت سے واقف بھی ہے اور اسے سنوارنے کی اس ذات کو پوری قدرت بھی ہے۔

اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِيۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِيۡ

تو سبحان اللہ! اس ذات پر بھی یقین ہو کہ وہ ذات دینا چاہتی ہے، بخشش عطا نوازنا یہ اس کی خاص خوبیاں ہیں، نوازش عطا بخشش یہ تو اسکی خاص صفت ہے۔ یہ تو اس کی خاص خوبی ہے اور اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: مجھے اس کی فکر نہیں ہوتی کہ دعا قبول ہو گی یا نہیں ہو گی۔ میرا سارا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ مجھے دعا کی توفیق مل جائے، اس لیے کہ جب مجھے دعا کا اہتمام اور توفیق ہو گئی تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ میری دعا قبول بھی ہو گی، مجھے اس کی فکر نہیں ہوتی کہ قبول ہو گی یا نہیں ہو گی، میرا تو سارا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ مجھے دعا کی توفیق مل جائے، اس سے مانگنا نصیب ہو جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جسے دعا کی توفیق ہو گئی، اس کے لیے تو برکتوں کے دروازے کھل گئے، یہ بہت بڑا عمل ہے، اپنے بچوں کو سکھانا چاہیے۔

اپنے گھر والوں کو سکھانا چاہیے کہ ہاں، اللہ سے مانگو۔ ٹھیک ہے، ڈاکٹر کے پاس جانا ہے، فلاں کے پاس جانا ہے، فلاں کے پاس جانا ہے، ارے میاں! پہلے اس کے در پر دستک تو دو ناں! اس کی رحمت متوجہ ہو گی، اس سے مانگو، اس سے فریاد کرو اور یقین جانیں! جس شخص کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے۔۔۔ ایک چیز نقد ملتی ہے، فوراً ملتی ہے، کیا دل کو تسلی ہو جاتی ہے، آدمی کسی آزمائش میں ہو اور پھر کسی بااختیار آدمی سے فون پر رابطہ ہو جائے، بتایئے بھئی! رابطہ ہو گیا ہے، حالاں کہ اس نے نہ کام کرنے کا وعدہ کیا، لیکن رابطہ ہوتے ہی تسلی ہو جاتی ہے اور سبحان اللہ! کوئی اَحکمُ الحاکمین اور بادشاہوں کے بادشاہ سے رابطہ کر لے، پھر تسلی بھی نہ ہو، ایسا نہیں!!!

ہو سکتا دعا بڑھیا ہو اور دعا کا اہتمام ہو اور میرے عزیزو! جب دعاؤں کے ذریعے اللہ کی ذات پر یقین بڑھتا ہے اور اس کی معرفت بڑھتی ہے، اس سے تعلّق بڑھتا ہے، پھر آدمی خلوتیں، تنہائیاں تلاش کرتا ہے کہ میں اپنی ساری دل کی فریادیں اس کے سامنے رکھوں، پھر آدمی خلوتیں تلاش کرتا ہے، تنہائیاں تلاش کرتا ہے کہ میں اپنے سارے دل کے جذبات اس کے سامنے رکھوں، ایسے وقت پھر وہ اوقات قبولیت کے اسے ملتے ہیں اور قبولیت کی گھڑیاں اسے نصیب ہوتی ہیں تو میرے عزیزو! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تعلّق نصیب فرمائے اور ہمیشہ دعا کے عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

نام: حماد بن سلمۃ بن دینار کنیت: ابو سلمہ

بصری علاقہ: بصرہ تاریخ پیدائش: سن 91ھ تاریخ وفات: سن 167ھ مشہور اساتذہ: عبداللہ بن ابی ملیکہ، انس بن سیرین، محمد بن زیاد قرشی، ثابت بنانی۔ مشہور تلامذہ: ابنِ جریج، عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ قطان۔

علمی مقام

خود فرماتے ہیں: میں نوعمر لڑکا تھا، ایک مرتبہ ایاس بن معاویہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: تم مرنے سے پہلے ایک اچھے واعظ بنو گے۔ وہیب بن خالد کہتے ہیں: حماد بن سلمہؒ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں: حدیث کے راویوں کے بارے میں، میں ان کو انتہائی معتبر سمجھتا ہوں، جو حماد بن سلمہؒ کو ضعیف قرار دے اس کی بات ٹھیک نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے محمد بن مطہر نے حماد بن سلمہ کے متعلق پوچھا:

انھوں نے فرمایا: وہ ہماری نظر حدیث کے بہت مضبوط اور پختہ راوی ہیں۔

انھی کے زمانے کے ایک اور بڑے محدّث تھے، ان کا نام بھی حماد تھا، ان کا پورا نام تھا: حماد بن زید بن درہم، حدیث کی پختگی میں حماد بن زید بن درہم کا درجہ اونچا تھا، جب کہ تقویٰ اور عبادت میں حماد بن سلمہ بن دینار بڑھے ہوئے تھے، اسی دوسرے صفت کے اعتبار سے ایک راوی (عبداللہ بن معاویہ جمحی) نے ان دونوں حضرات سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا تھا: ابنِ سلمہ کی فضیلت ابنِ زید پر ایسی ہے جیسے دینار کا درجہ درہم سے بڑھا ہوا ہے۔

(دینار سونے کے سکے کو کہتے ہیں اور درہم چاندی کے سکے کو، حماد بن سلمہ کے دادا کا نام دینار تھا اور حماد بن زید کے دادا کا نام درہم تھا۔)

شہاب بن معمر بلخیؒ فرماتے ہیں: حماد بن سلمہؒ ابدال میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: حماد بن سلمہؒ حدیث کے امام تھے، اسی کے ساتھ وہ عربی زبان میں بھی امامت کا اونچا درجہ رکھتے تھے، فقیہ و فصیح، سنت کے سردار، کئی تصانیف فرمائیں۔

حماد بن سلمہؒ کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مستجاب الدعوات تھے۔

یونس کہتے ہیں: میں نے حماد بن سلمہؒ سے ہی عربی زبان کی مہارت سیکھی۔

بیہقیؒ اپنے استاذ کی ایک کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ اس میں لکھا ہے: حماد بن سلمہؒ، مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔

قرأت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور ان کے واسطے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کی کئی خصوصیات ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت کی آسانی کے لیے قرآنِ کریم کو سات حروف میں (یعنی سات مختلف انداز میں) تلاوت کرنے کی اجازت دی ہے۔

اکابر میں بہت سے علما نے خاص کر اپنی زندگیاں ان حروف کے سیکھنے سکھانے میں خرچ کیں، ان ہی میں سے ایک حماد بن سلمہ بھی ہیں، انھوں نے حروف عاصمؒ اور ابن کثیرؒ سے سیکھے تھے۔ اور ان سے قرآن کریم کے حروف کو حرمی بن عمارہؒ اور ابو سلمہ تبوذکیؒ نے نقل کیا۔

خود فرماتے ہیں: میں حدیث کے مختلف حلقوں میں شریک ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھتا تھا، میرا ارادہ بالکل نہیں تھا کہ میں حدیث کا درس دوں، لیکن میں نے ایک دفعہ خواب میں ایوب سختیانیؒ کو دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں: حدیث کا درس دو، لوگ تمہارے پاس آکر فائدہ اٹھائیں گے۔

مقصد پر زندگی گزار دی

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں: اگر حماد بن سلمہ سے کہا جائے کہ آج آپ کی زندگی کا آخری دن ہے، کل آپ کی موت واقع ہو جائے گی تو وہ اپنے عمل میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ان کے تمام اوقات عبادت اور اوراد سے معمور تھے۔

عفان کہتے ہیں: میں نے حماد بن سلمہؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا تو دیکھا ہے، لیکن ان سے زیادہ خیر کے کاموں کی پابندی کرنے والا، قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرنے والا اور اپنے عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے والا نہیں دیکھا۔

موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی کہتے ہیں: اگر میں تم سے کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہؒ کو کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا تو میں بالکل سچا ہوں گا، وہ ہمیشہ مشغول رہتے تھے یا تو حدیث کا درس دیتے تھے یا کچھ پڑھ رہے ہوتے تھے یا تسبیح میں مشغول ہوتے یا نماز میں کھڑے ہوتے، ان کا سارا دن انھی کاموں میں تقسیم تھا۔

عبداللہ عجلی کہتے ہیں: حماد بن سلمہؒ اس وقت حدیث کے حلقے میں درس کے لیے تشریف نہیں لاتے تھے، جب تک کہ اپنا صبح کی تلاوت کا معمول پورا نہیں فرما لیتے، تقریباً سو آیات دیکھ کر تلاوت فرماتے تھے۔

تجارت

سوار بن عبداللہ کے والد کہتے ہیں: میں حماد بن سلمہؒ کے پاس بازار میں جاتا تھا، وہ کپڑے کا کام کرتے تھے۔ ان کا معاملہ عجیب تھا، اگر کسی کپڑے میں انھیں دو چار درہم بچ جاتے تھے تو اپنا سامان لپیٹ لیتے اور واپس چلے جاتے، جس سے مجھے اندازہ ہو جاتا تھا کہ ان کا آج کا خرچہ پورا ہو گیا ہے۔

اخلاص

ایک شخص حماد بن سلمہؒ کی مجلس میں حاضر ہو کر حدیث سنتا تھا، وہ کسی کام سے سفر کر کے چین گیا، جب وہ واپس آیا تو اس نے حمادؒ کو ہدیہ پیش کیا، حمادؒ نے فرمایا: اگر میں یہ ہدیہ قبول کر لوں گا تو اس کے بعد کبھی تمہیں کوئی حدیث نہیں سناؤں گا اور اگر قبول نہیں کروں گا تو حدیث کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے، آپ ہدیہ قبول نہ کریں اور حدیث کا سلسلہ جاری رکھیں۔

اس قصے سے استاذ کا اخلاص بھی صاف ظاہر ہوتا ہے اور طالبِ علم کی اپنے استاذ سے محبت بھی اور ساتھ میں علم حاصل کرنے کا شوق بھی۔

فرمایا: جس نے حدیث (یعنی علمِ دین) کو غیر اللہ سے حاصل کیا وہ بہت بڑے دھوکے میں ہے۔

متفرّق حالات

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حماد بن سلمہ سفیان ثوریؒ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ مرض الوفات میں تھے، انھوں نے حماد بن سلمہ سے پوچھا: اے ابو سلمہ، کیا مجھ جیسے کی مغفرت ہو جائے گی؟ وہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم، اگر مجھے اس بات کا اختیار دیا جائے کہ میرا حساب کتاب اللہ تعالیٰ کریں یا میرے ماں باپ کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حساب کتاب کو اختیار کروں گا، کیوں کہ اللہ رب العزت میرے ماں باپ سے زیادہ مجھ پر رحم کرنے والے ہیں۔

امیر کا سوال اور حماد بن سلمہ کا جواب

خراسان کے ایک شخص مقاتل بن صالح کہتے ہیں: میں حماد بن سلمہؒ کے پاس حاضر ہوا تو ان کے گھر کا کل ساز و سامان یہ تھا: ایک چٹائی جس پر وہ تشریف رکھتے تھے اور قرآنِ مجید کا نسخہ اور چمڑے کا تھیلا تھا، جس میں ان کی کچھ کتابیں اور ڈونگا تھا، جس سے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔

مقاتل کہتے ہیں: میں ان کے پاس بیٹھا ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، انھوں نے بچی سے کہا: دیکھو کون ہے؟ اس نے آکر بتایا: امیر محمد بن سلیمان کا ایلچی آیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: اندر بلا لو، لیکن اس کو کہنا: اکیلے آئے، (یعنی خدام اور فوج کو ساتھ لے کر مت آئے)، چناں چہ وہ ایلچی اکیلا ہی اندر آ گیا اور اس نے سلام کیا اور محمد بن سلیمان کا خط ان کو پیش کیا، انھوں نے اسی ایلچی کو کہا: پڑھ کر سناؤ، اس نے سنانا شروع کیا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ خط ہے محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام، اما بعد: اللہ تعالیٰ حماد بن سلمہ کو ایسی برکتیں اور خیریں عطا فرمائے، جیسے اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے۔ دراصل ہمیں یہاں ایک مسئلہ درپیش ہے، آپ سے درخواست ہے آپ یہاں (سرکاری دربار میں) تشریف لے آئیے، تاکہ آپ ہماری رہنمائی فرما سکیں۔

یہ خط سن کر حماد بن سلمہ نے بچی سے منگوا کر اسی ایلچی کے سامنے رکھ کر اس کو کہا: کتاب کی پشت پر لکھو: آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی برکتیں اور خیریں عطا فرمائے، جیسے اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے، ہم نے علما کو دیکھا، وہ علم لے کر کسی کے بھی پاس نہیں جایا کرتے تھے، اگر کوئی مسئلہ درپیش ہے تو آپ ہمارے پاس آجائیے، جو پوچھنا ہے پوچھ لیں، لیکن یاد رہے کہ تنہا/اکیلے ہی آئیے گا، اپنے ساتھ حفاظتی دستے اور حشم خدّام کو ہرگز مت لائیے گا، ورنہ میں آپ کو جواب نہیں دے سکوں گا۔ والسلام

ایلچی کو گئے ہوئے ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، انھوں نے بچی سے دیکھنے کا کہا: بچی نے آکر بتایا کہ امیر محمد بن سلیمان آئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اس سے کہو، اکیلے اندر آنے کی اجازت ہے۔

اس نے جا کر پیغام پہنچایا، وہ اندر آ گیا۔ سلام کر کے حماد بن سلمہ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر اس نے گفتگو کی ابتدا یوں کی: جناب! کیا بات ہے، جب بھی میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں، رعب کے مارے دَب جاتا ہوں، حمادؒ فرمانے لگے: میں نے ثابت بنانیؒ کو سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کوئی عالم اپنے علم سے صرف اللہ کی رضا کو مقصود بناتا ہے تو ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور اگر اپنے علم سے دنیا کا مال و دولت اکٹھا کرنے کو مقصود بنائے تو ہر چیز اس کو ڈراتی ہے۔

اس کے بعد اس نے مسئلہ پوچھا: ایک شخص کے دو بیٹے ہیں، وہ ان میں سے ایک سے زیادہ خوش ہے، چناں چہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی دو تہائی مال اس بیٹے کے نام کر دے۔ حماد بن سلمہؒ نے فرمایا: اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے، پھر فرمانے لگے: میں نے ثابت بنانیؒ کو سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے عذاب کا فیصلہ فرما لیتے ہیں تو وہ بیماری (مرضِ وفات) میں ظالمانہ وصیت کر کے چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد محمد بن سلیمان نے کہا: اب مجھے آپ کے سامنے اپنی ایک حاجت رکھنی ہے، اُمید کرتا ہوں کہ آپ وہ ضرور پوری کریں گے۔ انھوں نے فرمایا: ہاں بتاؤ، بشرطیکہ دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ اس نے کہا: یہ چالیس ہزار درہم ہیں آپ اس کو قبول فرما لیں، آپ کی روزمرہ کی ضرورتوں میں آپ کے کام آئیں گے۔

حماد بن سلمہؒ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: یہ ان کو جا کر لوٹاؤ، جن پر ظلم کر کے تم نے اسے حاصل کیا ہے۔ اس نے کہا: جناب! اللہ کی قسم! یہ بالکل پاک مال ہے، مجھے میراث میں ملا ہے۔ یہ میں خاص طور پر آپ کو پیش کرنے کے لیے ہی لے کر آیا ہوں۔ محمد بن سلیمان کا گمان تھا کہ اس مضبوط دلیل کے بعد حماد بن سلمہؒ نرم پڑ جائیں گے اور قبول کر لیں گے، لیکن انھوں نے دوبارہ اسی بے رخی سے فرمایا: مجھے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں، میں لے کر کیا کروں گا؟ اس کو مجھ سے دور کر دو، میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر دے۔

یہ سن کر اس نے کہا: جناب! ایک اور درخواست ہے، انھوں نے وہی جواب دیا: بتاؤ، اگر دین کے لیے نقصان دہ نہ ہوئی تو قبول کر لیں گے، اس نے کہا: آپ یہ مال لے لیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے تقسیم فرما دیں، میں خود اس لیے تقسیم نہیں کر رہا کہ میں پوری احتیاط کے ساتھ انصاف سے بھی کیوں نہ تقسیم کروں، جس کو نہیں مل سکے گا، وہ بالآخر یہی کہے گا کہ امیر محمد بن سلیمان نے ناانصافی کی ہے اور اس طرح وہ بھی گناہ گار ہو گا، اس لیے آپ براہِ کرم اس کا بوجھ میرے کندھوں سے ہٹا دیں، میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے گناہوں کو بھی آپ سے دور کر دے۔

وفات

ذی الحجہ کے مہینے میں عید الاضحیٰ کے بعد کسی تاریخ میں منگل کے دن نماز کی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ اسحاق بن سلیمان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر چھہتر (76) برس تھی۔

حاتم طائی کی بیٹی

ندا اختر

مسلمانوں کی فوج نے قبیلہ طے پر حملہ کیا تو حاتم طائی کی بیٹی سفانہؓ بھی ان کی قیدی بن گئیں اور انہیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا انہیں مسجد کے دروازے کے پاس ایک جگہ رکھا گیا، جب آں حضرت ﷺ وہاں سے گزرے تو یہ کھڑی ہو گئیں، نہایت فصیح اللسان تھیں، کہنے لگیں: یارسول اللہ باپ ہلاک ہو گیا اور سر براہ غائب ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا: کون تھا تمہارا سر براہ؟ بولیں عدی بن حاتم، آپؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے بھاگنے والا؟ اور یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے۔

سفانہ کہتی ہیں کہ آپؐ کے پیچھے سے ایک آدمی نے اشارہ کیا کہ اٹھو اور بات کرو تو میں نے پھر کہا: یارسول اللہ! باپ ہلاک ہو گیا اور سر براہ غائب ہو گیا مجھ پر کرم کیجیے اللہ تعالیٰ آپ پر کرم کرے۔

پھر کہا: اے محمد (ﷺ) اگر آپ مہربانی کریں تو مجھے رہائی دلا دیں اور عرب قبیلوں کو میرا تمسخر نہ اڑانے دیں کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں، میرا باپ ہر قابل نگہداشت چیز کی حفاظت کرنے والا قیدی کو رہائی دلانے والا بھوکے کو سیر کرانے والا، کھانا کھلانے والا اور امن وسلامتی پھیلانے والا تھا۔ جس نے کبھی کسی حاجت مند کو مایوس نہیں کیا میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

تو آپؐ نے فرمایا اے لڑکی! یہ تو واقعی مومنوں کی صفت ہے۔ اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس پر ضرور رحمت بھیجتے، اسے آزاد کر دیا جائے کہ اس کا باپ نیکی پسند تھا اور اللہ تعالیٰ نیک اخلاق کو پسند فرماتے ہیں۔ اسی وقت ابو بردہؓ بن دینار اٹھے اور کہا یارسول اللہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نیک اخلاق کو پسند فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا قسم اس کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے نہیں جنت میں داخل ہو گا علاوہ حسن اخلاق کے پھر آپ نے سفانہؓ سے فرمایا جلد بازی مت کرو۔ جب تک کوئی بھروسامند نہ مل جائے جو تمہیں تمہارے وطن لے جاسکے ایسا ہو تو مجھے خبر کرنا۔ سفانہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے مجھے اشارہ کیا تھا تو پتا چلا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے پھر جب میری قوم سے کچھ لوگ آئے ہیں تو آپؐ نے مجھے کپڑے وغیرہ اور خرچہ دیا اور پھر میں اپنی قوم میں واپس آ گئی واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے بھائی کو مشورہ دیا کہ ہم دونوں کو رسول اللہؐ کے پاس جانا چاہیے چناں چہ دونوں وہاں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔

کشمیری مائیں اور دنیا کے منصف

ام محمد عبداللہ

ظریفہ بھی ماں تھی۔ اس دنیا کی ہر ماں جیسی ماں۔

اسے جب ماں بننے کی خوشخبری ملی تو وہ بھی خوشی سے نہال تھی۔ بالکل جیسے دنیا کی ہر عورت ماں بننے کی خبر سن کر خوشی سے پھولے نہیں سماتی۔

جب ننھا منا پیارا سا بچہ اس نے پہلی بار گود میں اٹھایا تو اس کا رواں رواں مسکرا رہا تھا۔ گھر آنگن کے ساتھ ساتھ من آنگن بھی مہک اٹھا تھا۔

وہ چوں کہ اس دنیا کی ایک عام سی روایتی سی ماں تھی اس لیے اس نے بھی اپنے بیٹے برہان کو ڈاکٹر بنانے کا خواب دیکھا تھا۔

ننھے منے ہاتھوں میں پنسل سے لے کر جوان ہوتے مضبوط ہاتھوں میں میڈیکل کی ڈگری تک کا سفر لمحہ لمحہ کر کے کتنی امنگوں، دعاؤں اور کاوشوں میں گزرا تھا۔

مگر اس روز اس کا دل لرزا تھا اور پھر وہ سب دنیا کی ماؤں جیسی روایتی سی ماں نہ رہی تھی۔

اس کا بیٹا لاپتا ہو گیا تھا۔

گمشدگی کے 11 ماہ، ہاں ماں نے گمشدہ بیٹے سے جدائی کے گیارہ ماہ گزارے۔

اور 11 ماہ بعد بیٹے کی میت کا سامنا کیا۔

سودا سلف کے لیے دکان پر بھیج کر سو مرتبہ دروازے کی جانب دیکھنے والی روایتی ماں، بچے کو کانٹا چبھ جانے پر گھنٹوں تڑپنے والی روایتی ماں تو روایتی ماں اس دن سے ہی نہیں رہی تھی جس دن کے بارے میں وہ کہتی ہے۔

"میں اس روز سے جانتی تھی کہ ہمارے محلے میں شاید ہی کوئی فرد ہو گا جو بندوق نہیں اٹھائے گا کیوں کہ ہم سب نے 2010 کی شورش کے دوران اپنی آنکھوں کے سامنے چار معصوم بچوں کو بھارتی فوج کے ہاتھوں شہید ہوتے دیکھا تھا۔ ان میں سب سے چھوٹا ساتویں جماعت کا طالب علم تھا جو روٹی لینے گیا تھا اور گھر کی دہلیز پر فوج کی گولیوں کا نشانہ بنا۔ برہان بار بار اس واقعے کو دہراتا تھا۔ پھر جب ہر مرتبہ چھاپے، گرفتاریاں، مار دھاڑ اور عورتوں کو ہراساں کرنے کے واقعات برہان دیکھتا تھا تو وہ کمرے میں جا کر نماز اور قرآن گھنٹوں پڑھا کرتا تھا۔ وہ پریشان رہتا اور اس کی آنکھوں سے بے بسی ٹپکنے لگتی۔ شاید اسی لیے اس نے عسکری راستہ اختیار کر کے اپنی موت کو ترجیح دی جواب ہمارے اکثر بچے کر رہے ہیں۔ بھارتی فوج کی بے انتہا زیادتیوں کی وجہ سے ہی ہمارے بچے بندوق اٹھا رہے ہیں۔"

شہید کی ماں روایتی ماں نہیں تھی۔

وہ تو بیٹے کی میت دیکھ کر سوگواروں سے کہہ رہی تھی: "برہان کی شہادت پر کوئی ماتم نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے لیے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ اس پر ثابت قدم رہا۔ ان جانے میں اگر اس نے کسی کو کوئی گزند پہنچائی ہو تو اللہ کے واسطے اسے اس غلطی کے لیے بخش دینا۔"

اس کشمیری ماں کی بات سن کر وہاں شور شروع ہو گیا اور وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔ نہ کوئی سینہ کوبی، نہ کوئی اُف اور نہ کوئی گلہ۔ بس پتھر کا دل رکھنے والی کشمیری ماں آخری رسم میں شامل ہو گئی۔

آج کشمیر کی ہر ماں پتھر کا دل لیے اپنے بیٹوں کو قربان ہوتے دیکھ رہی ہے۔

کیا ان مظلوم کشمیری ماؤں کے دل واقعی پتھر کے ہو گئے ہیں؟

نہیں! ان ماؤں کے دل تو ہر لمحہ موم بن کر پگھل رہے ہیں۔

ہر لمحہ ان سے خون ٹپک رہا ہے۔

ہاں! مگر اس بے حس دنیا کے نام نہاد منصف ضرور پتھر کا دل رکھتے ہیں، جو انصاف دلانا تو دور کی بات، کسی کشمیری ماں کا درد سمجھتے ہیں نہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

آن لائن ویب سائٹ پر بولی لگا کر چیز خریدنے کا حکم

سوال: آج کل انٹرنیٹ پر کسی بھی چیز کو فروخت کرنے کے لیے آن لائن آکشن کرایا جاتا ہے، جس میں بولی لگانے کو بیڈنگ کہتے ہیں اور یہ بیڈنگ بولی لگانے کا حق یا ووٹ ہوتا ہے۔ اسی ویب سائٹ پر بذریعہ رقم خرید وفروخت ہوتی ہے اور جب بولی کی مجموعی تعداد اس کمپنی کی مطلوبہ رقم تک پہنچ جاتی ہے تو وہ چیز اس شخص کو فروخت کر دی جاتی ہے۔

کیا یہ تجارت درست ہے اور اس طرح کی ویب سائٹ سے کوئی معاملہ درست ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ بولی لگانے سے مقصود اگر واقعتاً اس چیز کو خریدنا ہو تو شرعاً بولی لگانے کی گنجائش ہے اور اگر حقیقت میں اس چیز کو خریدنا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف لوگوں کو ابھارنے کے لیے اور اس چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی لگائی جائے تو یہ دوسرے لوگوں کو دھوکا دینے کی بنا پر مکروہ ہے اور اس بولی کے ذریعے کسی چیز کو بیچنے کا ثبوت حدیث میں بھی ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع من یزید)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بولی لگانے کا معاملہ کسی ویب سائٹ پر آن لائن ہو رہا ہو، تب بھی اس کا یہی حکم ہے کہ اگر خریدنے کی نیت سے بولی لگائی جائے تو جائز ہے اور اگر صرف قیمت بڑھانے کے لیے اور دوسروں کو ابھارنے کی نیت ہو تو یہ مکروہ ہے۔

عورتوں کے جدید فیشنی لباس کے مسائل

سوال: دورِ جدید میں عورتوں کے لباس میں بہت سے ایسے لباس ہیں جو باریک ہوتے ہیں اور ایک لعنت لیگنگ (عورتوں کے جسم سے چپکی ہوئی شلوار) کی پیدا ہوئی ہے۔ کیا یہ حرام نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ شریعت نے عورت کے لباس کے سلسلے میں عورت کے لیے کچھ حدود مقرر کیے ہیں جن کی رعایت بہر حال عورتوں پر ضروری ہے، حدود یہ ہیں:

1. لباس اتنا چھوٹا، چست یا باریک نہ ہو کہ اس کے پوشیدہ اعضاء جن کا چھپانا واجب ہے، ظاہر ہو جائیں۔
2. لباس میں کفار، فساق یا فیشن پرست عورتوں کی مشابہت نہ ہو
3. مردانہ نہ ہو کہ مردوں کی مشابہت لازم آئے
4. فخر وریا اور نمائش و تکلف کے طور پر نہ پہنا جائے

لہٰذا عورتوں کے لیے ایسا لباس پہننا جو اتنا چست ہو کہ جس سے اعضا نمایاں طور پر معلوم ہوتے ہوں، ناجائز ہے، ایسا لباس شوہر کے علاوہ محارم (والدین، بھائی، چچا وغیرہ) کے سامنے پہننا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ کسی غیر محرم (اجنبی) کے سامنے پہنا جائے۔ حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے: جو عورتیں کپڑا پہنے ہوئے ہوں گی، اس کے باوجود (لباس کے باریک ہونے کی وجہ سے) ننگی ہوں گی، جنت میں ان کا داخلہ تو درکنار وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکیں گی، جبکہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت تک محسوس کی جاسکے گی (صحیح مسلم شریف)

ہوٹل میں کریڈٹ اور ڈیبٹ کارڈ سے ادائیگی (پیمنٹ) کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی دوسرا شخص آپ کو کھانے پر لے جائے اور رعایت (ڈسکاؤنٹ) حاصل کرنے کے لیے کریڈٹ کارڈ سے بل کی ادائیگی کرے تو کیا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو ایسا ہونے کی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب: واضح رہے کہ کریڈٹ کارڈ کا بنوانا اور اس کا استعمال کسی صورت درست نہیں، البتہ ڈیبٹ کارڈ (DebitCard) بنوانا اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے، تاہم اس کے استعمال پر ملنے والے ڈسکاؤنٹ کے جائز اور ناجائز ہونے میں درج ذیل تفصیل ہے: ڈیبٹ کارڈ کے ذریعے ادائیگی کی صورت میں جو رعایت (Discount) ملتی ہے، دیکھا جائے گا کہ وہ بینک کی طرف سے مل رہی ہے یا جہاں کھانا کھانے گئے ہیں، ان کی طرف سے ہے۔ اگر یہ رعایت بینک کی طرف سے ملتی ہے تو اس صورت میں رعایت حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہوگا، کیونکہ یہ رعایت بینک کی طرف سے کارڈ ہولڈر کو اپنے بینک اکاؤنٹ کی وجہ سے مل رہی ہے جو شرعاً قرض کے حکم میں ہے اور جو فائدہ قرض کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ سود کے زمرے میں آتا ہے، البتہ اگر یہ رعایت اس ہوٹل کی طرف سے ہو جہاں کھانا کھانے گئے ہوں تو ان کی طرف سے تبرع واحسان ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا اور اگر رعایت دونوں کی طرف سے ہو تو بینک کی طرف سے دی جانے والی رعایت درست نہ ہوگی، لہٰذا اگر آپ کسی کے ساتھ کھانا کھانے جائیں اور وہ کارڈ سے بل کی ادائیگی کرے تو اس کو مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔ اگر پہلے اس طرح کھانا کھا چکے ہیں اور اس شخص کی اصل رقم حلال تھی تو حلال رقم غالب ہونے کی وجہ سے گنجائش ہوگی، تاہم آئندہ اگر وہ نہ مانے تو اس کے ساتھ کھانے پر جانے سے اجتناب کیا جائے۔

بدنگاہی سے کیسے بچیں؟

سوال: (1) میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ انسان کی نظر کسی غیر محرم پر پڑ گئی تو یہ شخص کس درجے کا گناہ گار ہوگا؟ کیا یہ گناہِ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ (2) دوسری بات

یہ ہے کہ موبائل آج کی اہم ضروریات میں سے ہے، لیکن شیطان اس کو بھی ہتھیار بنا رہا ہے۔ اب ایک شخص موبائل پر بے حیائی کے مناظر دیکھتا ہے اور پھر نادم ہو کر باضابطہ توبہ بھی کرتا ہے، لیکن کچھ دیر بعد پھر وہی حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اکثر وبیشتر چلتا رہتا ہے۔ توبہ کے دوران اللہ کے سامنے روتا بھی ہے، آنسو بھی نکلتے ہیں، لیکن مکمل طور پر بچ نہیں پاتا، اس کا علاج بتا دیں، (3) نیز شخص مذکور بعض مرتبہ یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والا گناہ گار پسند ہے، کہیں اس وجہ سے تو نہیں بار بار گناہ ہو رہا ہے؟ یہ سوچنا کہاں تک درست ہے؟

جواب: (1) واضح رہے کہ اگر اتفاقاً کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے اور آدمی فوراً اپنی نگاہ ہٹا لے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ قصداً شہوت کے ساتھ نظر ڈالنا گناہ ہے، حدیث میں اسے آنکھ کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: نظر کے پیچھے نظر نہ ڈالو، کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر (جو اچانک پڑی تھی) جائز ہے (معاف ہے) دوسری جائز نہیں۔

(2) موبائل فون کے شر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی بقدرِ ضرورت صرف سادہ موبائل استعمال کرے اور انٹرنیٹ سے ہمیشہ دور رہے، خصوصاً تنہائی میں تو بہت بچے اور فارغ اوقات میں دینی کتب اور علماء واولیا کی زندگی پر مشتمل کتابوں کے مطالعے کا معمول بنائے اور بہتر ہے کہ کسی متبعِ سنت وشریعت شیخ سے اصلاحی تعلق بھی قائم کرلے اور اپنے احوال بتلا کر ان سے اصلاح لیتا رہے۔

(3) اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس پر عمل درآمد کرے اور یہ سب نہ سوچے، گناہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا رہے اگر خدانخواستہ کبھی گناہ کا صدور بھی ہو جائے تو فوراً توبہ کرلے۔

گناہِ کبیرہ اور صغیرہ کسے کہتے ہیں؟

سوال: گناہ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کسے کہتے ہیں؟ گناہِ صغیرہ کی مثال کیا ہوگی؟

جواب: گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی تعریفات سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مطلق کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے خلاف ہو، اس سے پتا چلا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے در حقیقت وہ بھی صغیرہ نہیں، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہر حال میں نہایت سخت وشدید جرم ہے، اس لیے علمائے امت نے اللہ کی ہر نافرمانی کو گناہِ کبیرہ کہا ہے۔ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ وموازنہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس گناہ کو اصطلاح میں صغیرہ یا چھوٹا کہا جاتا ہے اس کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں کہ ایسے گناہوں کے ارتکاب میں غفلت یا سستی برتی جائے اور ان کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جائے، بلکہ صغیرہ گناہ کو بے باکی اور بے پروائی کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے وہ سب گناہِ کبیرہ ہیں۔ اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائجِ بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں اور جو گناہِ صغیرہ جرأت وبے باکی کے ساتھ کیا جائے وہ بھی کبیرہ ہے۔

گناہِ کبیرہ کی مذکورہ تعریف سے گناہِ صغیرہ کی تعریف خود بخود واضح ہو جاتی ہے، یعنی گناہِ صغیرہ وہ ہے جس پر کوئی حد، لعنت یا جہنم کی وعید وارد نہ ہوئی ہو، نیز جو جرأت اور بے باکی سے نہ کیا جائے۔

مقصدِ زندگی

عمارہ فہیم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مسلمان مومن کا آئینہ ہے۔ مسلمان مسلمان کا خیال رکھتا ہے اور حفاظت کرتا ہے اس کے پیچھے بھی اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔"

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ساتھ دوسروں کے حقوق بتا کر معاشرے کی اصلاح، ترقی وخوب صورتی میں سب سے بڑا معاون ثابت ہوا ہے۔

ان احادیث میں بہت گہرائی ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے زندگی گزارنے نہیں، بلکہ خوش گوار زندگی کے بہت طریقے ہمیں بتائے جن میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہو۔

جس طرح ہم شیشے میں اپنا عکس دیکھیں اور کہیں کوئی چہرے پر میل کچیل وغیرہ نظر آئے تو اس کو صاف کرنے کی فکر ہوتی ہے، اسی طرح مسلمان مسلمان کے لیے مانند شیشہ ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے: "حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک ہے۔"

یعنی حیا مسلمان کا شعار اور زیور ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ہم سے ہمارا زیور (سونے، چاندی) چھیننا چاہے تو ہمارا ردِّ عمل کیا ہوگا؟ دکھ، افسوس صدمہ۔۔۔ یہی ہوگا نا!

اب یہود ونصاریٰ کی سازش یہی تو ہے، وہ ہمارے ایمانوں کے دشمن ہیں، جن کے بارے میں اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں "یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ!" اب جن کے لیے اللہ فرمائیں کہ یہ دوستی کے قابل نہیں تو وہ کیسے ہمارے مخلص ہو سکتے ہیں۔

ان لوگوں کا اوّلین مقصد ہمارے ایمان کو ختم کرنا ہے، اس کے لیے وہ روز نئے حربے استعمال کرتے ہیں، نوجوانوں سے حیا کو ختم کر کے بے راہ روی کا شکار کروانے کے لیے ایسی چیزیں ایجاد کریں کہ وہ نہ دین کے رہیں نہ دنیا کے۔

ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ عکس پر جو میل آگئی ہے حیا کے ختم ہونے سے، جو بے روی کا شکار ہو رہے ہیں، وہ واپس پلٹ آئیں، ایک دوسرے سے جو دوری ہوتی جا رہی ہے، نفسا نفسی عام ہو رہی ہے، وہ ختم ہو اور سب ایک قوم وملّت بن کر مضبوطی کے ساتھ ابھریں۔

اللہ کے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے ابھی ابھی جنا گیا ہو۔" (اس لیے توبہ میں ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے) نظر کے دھندلانے سے جو میل ہمارے نفسوں پر آگئی ہے، وہ توبہ کے ذریعے وہ میل صاف ہو جائے اور ہمارا آپ اور عکس ایک جیسا ایمان سے پُرنور ہو جائے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

قسط نمبر 1

امراض و احتیاط

● حکیم شمیم احمد

امراضِ جگر

تعارف

جگر انسانی جسم کا اہم عضو ہے، اس کی اہمیت جگری دوست سے کم نہیں، جس طرح جگری دوست مزاج شناس ہوتا ہے اور اپنے ساتھی کے مزاج سے بخوبی واقف ہوتا ہے، معمولی اور چھوٹی باتوں پر ناراض نہیں ہوتا، اگر خلافِ مزاج کوئی بڑی بات ہو بھی جائے تو ایسا ناراض ہوتا ہے کہ مشکل سے منتا ہے۔

یہی حال ہمارے جگر کا بھی ہے۔ مسلسل مرغّن غذاؤں سے اس پر دباؤ ڈالتے رہیں اور اس کی نازبرداری نہ کریں تو ایک حد تک تو وہ برداشت کرے گا، آخر تھک ہار کر کام کرنا چھوڑ دے گا، یوں وَرمِ جگر، سوزشِ جگر کی علامتیں ظاہر ہوں گئیں۔ مسلسل قے کی شکایت ہوگی، کھانے سے دل اُچاٹ ہو جائے گا، کھانے کی خوش بو سے بھی متلی ہوگی اور مریض دن بہ دن کم زور ہوتا چلا جائے گا۔

سوزشِ جگر ایک بڑا خطرہ

جگر کے امراض میں سب سے بڑا خطرہ سوزشِ جگر سے ہوتا ہے، اس کے اقسام میں ہیپاٹائٹس، بی اور سی شامل ہیں۔ اس میں جگر سکڑ جاتا ہے۔ سوزشِ جگر آلودہ پانی اور کھانے پینے کی اشیا سے صرف لاحق نہیں ہوتا، سوزشِ جگر سے بچاؤ کے لیے درجہ ذیل احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہییں۔

آلودہ سرنج، ٹیکے لگوانے سے ڈرپ یا خون چڑھوانے سے، سوئی سے جسم پر ٹیٹو بنوانے سے یا کان، ناک، چھدوانے سے، آلودہ اُسترا یا بلیڈ سے شیو بنوانے اور ایسے ہی اوزاروں سے دانتوں کا علاج کروانے سے یہ وائرس جگر میں داخل ہوتا ہے، اس سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

صرف مستند معالج کے مشورے سے ادویات کھائیں، اگر آپ غلط ادویات کھاتے ہیں تو یہ آپ کی صحت پر منفی اثرات کا باعث ہوں گے۔ صرف ایمرجنسی اور شدید ضرورت کے وقت ہی خون چڑھوانا چاہیے اور خون مصفیٰ ہو اور اچھی طرح لیبارٹری میں خون کا معائنہ ہو چکا ہو۔ بازار سے خریدا ہوا خون آپ کو جان لیوا بیماری میں مبتلا کر سکتا۔

جو خوشی سے چوٹ کھائے، وہ جگر کہاں سے لاؤں

جگر میں خرابی کی اصل وجہ مسلسل چکنائی اور روغنی اشیا کا استعمال ہے۔ رات دیر سے کھانا کھاتے ہی بستر پر لیٹ جانا اور چہل قدمی نہ کرنا، ابتدا میں جو علامتیں ظاہر ہوتی ہیں، ان میں متلی، قے، بھوک کا فقدان، منہ کا ذائقہ کڑوا ہو جانا ہے، جگر میں صفرا بڑھ جانے کی وجہ سے گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے۔ پیاس شدّت سے لگتی ہے۔ یخ ٹھنڈے پانی اور مشروبات کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صدمات کی وجہ سے بھی جگر بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے اس موقع پر کیا خوب کہا ہے: ”جو خوشی سے چوٹ کھائے، وہ جگر کہاں سے لاؤں“

تلبینہ سے متعلق حدیثِ مبارکہ

صدمات اور غمی کے موقع پر معتدل غذائیں استعمال کی جائیں تو غم اور غصہ اور صدمات میں کافی حد تک کمی آسکتی ہے۔ نمک کا کثرت سے استعمال نہ صرف بلڈ پریشر بڑھاتا ہے بلکہ اپنے پیاروں کے بچھڑ جانے کا غم مزید بڑھا دیتا ہے اور ذہن میں ایسی یادیں پیوستہ ہو کر رہ جاتی ہیں جو ہر وقت پریشان کیے رکھتی ہیں، اس لیے اطبّا ایسے موقعوں پر نمک کے بجائے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النبيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ المَيِّتُ مِن أَهْلِهَا فَاجْتَمع لِذلكَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِن تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ، ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ، فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا، ثُمَّ قالَتْ: كُلْنَ منها، فإنِّي سَمِعْتُ رَسولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ يقولُ: التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ المَرِيضِ، تُذْهِبُ بَعْضَ الحُزْنِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اگر ان کے خاندان میں فوتگی ہو جاتی تو اس گھر میں خواتین جمع ہو تیں (تعزیت کرتیں اور) پھر اپنے اپنے گھروں کو چلی جاتیں، صرف میت کے گھر والے اور انتہائی قریبی لوگ رہ جاتے تو وہ تلبینہ (دلیہ) بنانے کا حکم کرتیں تو دلیہ بنایا جاتا اور پھر ثرید (چوری) بنا کر اس پر تلبینہ ڈال دیا جاتا، عائشہ رضی اللہ عنہا اہلِ میت کی خواتین کو اس میں سے کھانے کا کہتیں اور انھیں بتلاتیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تلبینہ مریض کے دل کی ڈھارس باندھنے کے لیے اچھا ہے، اس سے غم میں کچھ کمی آتی ہے۔

یرقان: ایلویرا کے گودے کا رس ایک چمچہ میں نوشادر دو رتی شامل کر کے چند دن استعمال کرنا یرقان میں مفید ہے۔

جب جگر کا مرض شدّت اختیار کر لیتا ہے تو جگر میں جلن محسوس ہونے لگتی ہے، اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. ورزش کے فوراً بعد پانی پینا
2. دھوپ اور گرمی سے فوراً آ کر پانی پینا
3. ایئر کینڈیشن کمرے سے دھوپ میں یا دھوپ سے ایئر کینڈیشن کمرے میں آنا جانا
4. جگر پر کسی بھی طرح سے چوٹ لگنا
5. آنوں اور دستوں کو کسی تیز دوا سے فوراً روک دینا جبکہ متلی کی شکایت ہو
6. دست آور ادویات کا روزانہ استعمال کرنا

علاج: غذا میں لوکی، جامن، سیب، پیچی، الوبخارے کا استعمال مفید ہے۔

پسی ہوئی بڑی الائچی کے دانے تقریباً پانچ رتی تازہ پانی سے روزانہ ایک وقت استعمال کریں، اس کے علاوہ پانچ دانہ آلو بخارا تیس گرام املی پانی میں اُبال کر اس میں بیس گرام مصری شامل کر کے استعمال کروائیں، اس سے جگر کو توانائی اور چُستی حاصل ہوتی ہے۔

تلبینہ

تلبینہ اس حریرے کو کہتے ہیں جو آٹے اور دودھ سے بنایا جاتا ہے، کبھی اس میں شہد بھی ملا دیتے ہیں، چوں کہ اس حریرہ کا خاص جز دودھ ہوتا ہے اور دودھ کی طرح سفید بھی ہوتا، اس لیے اس کو دودھ کہتے ہیں جو لبن (دودھ سے مشتق) ہے۔

علاج: غذا میں لوکی، جامن، سیب، پیچی، الوبخارے کا استعمال مفید ہے۔

پسی ہوئی بڑی الائچی کے دانے تقریباً پانچ رتی تازہ پانی سے روزانہ ایک وقت استعمال کریں، اس کے علاوہ پانچ دانہ آلو بخارا تیس گرام املی پانی میں اُبال کر اس میں بیس گرام مصری شامل کر کے استعمال کروائیں، اس سے جگر کو توانائی اور چُستی حاصل ہوتی ہے۔

آسان علاج

جگر میں چربی کا تناسب بڑھنے سے پیٹ اگر بڑھ گیا ہو تو ایسی صورت میں ایک چمچہ کچلے ہوئے لہسن کو روغن زیتون کے ساتھ لیجیے، اس سے جگر کی چربی تحلیل ہو جائے گی اور پیٹ کم ہو جائے گا۔

کالے انگور کا رس جگر کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے جگر میں بننے والی رسولیاں بھی گھل جاتی ہیں۔

لیموں کا رس دو تولہ ایک گلاس پانی میں حل کر کے استعمال کریں، اس میں پیسی ہوئی کالی مرچ، سیندھا نمک بھی شامل کر لیں تو جگر کے مرض میں جلد افاقہ ہو جائے گا۔

جگر کی اہم خوبی

اللہ تعالیٰ نے جہاں جگر میں بہت ساری خوبیاں ودیعت فرمائی ہیں، وہاں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جیسے ہی ہم ایک لقمہ زبان پر کھانے کے لیے رکھتے ہیں، جگر کو معلوم ہو جاتا ہے، آیا کوئی صاف ستھری غذا کھائی جا رہی ہے یا ملاوٹ والی مضرِ صحت! چناں چہ وہ ایسی اشیا سے جسم کو بچانے کے لیے اینٹی ٹاکسین تیار کرتا ہے۔

”جگر“ بحیثیت گھر کا سربراہ

جگر کی حیثیت بھی گھر کے سربراہ کی طرح ہے، جب گھر کا سربراہ بھی بیمار ہو جاتا ہے تو سارا گھر معاشی اور ذہنی طور پر متاثر ہو جاتا ہے، اسی طرح جب جگر متاثر ہو جاتا ہے تو جسم کے تمام اعضا میں ہل چل مچ جاتی ہے کہ اب خون کی سپلائی کہاں سے آئے گی؟ اور حالتِ مرض میں جگر اینٹی ٹاکسین بنانا چھوڑ دیتا ہے، یوں ثقیل غذا کھانے سے جسم بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ جگر کی خرابی میں مریض کو دائیں طرف ہلکا ہلکا درد رہتا ہے۔ یہ درد چھونے یا دبانے سے زیادہ ہوتا ہے۔ جگر کے نظامِ عمل میں خرابی آنے سے جسم پر کئی امراض غالب آ جاتے ہیں، مثلاً: بھوک نہ لگنا، زبان پر میل جمنا، قبض رہنا، آنکھوں میں کھنچاؤ ہونا، جسم کم زور ہونا، پیٹ میں اپھارہ ہونا، بخار کی شکایت ہونا، پیٹ کے اوپری حصہ میں جلن ہونا، ڈکار آنا، نیند نہ آنا، چکر آنا، جسم میں سستی رہنا، سر میں درد اور دماغ میں سن پن محسوس ہونا، دل کی دھڑکن تیز محسوس ہونا، جگر کا بڑھنا اور بدن میں خارش ہونا۔

مرضِ استسقاء

دو قسم کا ہوتا ہے، طبلی اور لحمی، طبلی میں پیٹ میں ڈھول کی طرح سوجن ہو جاتی ہے اور لحمی میں پیٹ میں پانی بھر جاتا ہے، اس کی وجہ بھی جگر کی خرابی ہوتی ہے۔

پیٹ میں جگر کی وجہ سے پانی جمع ہونے میں کافی عرصہ لگتا ہے، بعض اوقات اس کو پیٹ سے نکالنا بھی پڑ جاتا ہے اور کئی کئی لیٹر پانی نکلتا ہے، اس بیماری میں جگر سکڑ جاتا ہے، عموماً اس بیماری میں بخار نہیں ہوتا بلکہ اکثر بدہضمی، کم زوری اور جگر کے فعل میں تبدیلی کی شکایت رہتی ہے۔ سرطان کی وجہ سے بھی پیٹ میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔

علاج: اگر پیٹ میں پانی کی وجہ سے مریض کو بوجھ یا سانس میں رکاوٹ محسوس ہو تو پیٹ میں سوراخ کر کے پانی کو نکالا جا سکتا ہے، لیکن پانی کو زیادہ مقدار میں نکالنا درست نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر زیادہ پانی نکل جائے تو مریض بے ہوش ہو سکتا ہے۔ پانی کی کتنی مقدار نکالنی ہے؟ اس کا فیصلہ ماہر معالج پر چھوڑ دینا چاہیے، اگر سوزشِ جگر کی وجہ سے پیٹ میں پانی بھر گیا ہو تو نمک کھانا بند کر دیں۔ پیشاب آور دوا زیادہ مقدار میں دینی چاہیے، اس لیے کہ بار بار پیشاب آنے سے وَرم اتر جاتا ہے، اگر تپِ دِق کی وجہ سے پیٹ میں پانی جمع ہو گیا ہو تو اس بیماری کا ادویات سے علاج کرنا چاہیے۔ غذا کی کمی یا جسمانی کم زوری دور کرنے کے لیے لحمیات اور حیاتین وغیرہ دی جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: تمہارے لیے اونٹنی کا دودھ موجود ہے، یہ چوں کہ ہر قسم کے درختوں کے پتے کھاتی ہے، اس لیے اس کے دودھ میں شفاء ہے۔

بھوک کے خوف میں پُرسکون!

مہوش کرن

-"ماما! مجھے یہ نہیں کھانا۔"

-"بیٹا! آج تو یہ کھالو، پکا وعدہ کل میکڈونلڈز چلیں گے۔"

-"آئی ابو! ذرا پلاؤ دم پر لگادوں۔"

-"امی جی! آپ روٹی نہاری کے ساتھ کھائیں گی یا کڑاہی کے ساتھ۔"

-"بس باجی! کیا بتاؤں۔ کبھی کوئی پھل، انار، کبھی ابلا ہوا انڈہ، کبھی برگر، نوڈلز، سیخ کباب پراٹھا، کریم رول، پیزا، برگر کیا کیا نہیں دیتی میں اسکول اسنیک میں آپ کی لاڈلی بھتیجیوں اور اس اکلوتے بھتیجے کو، لیکن مجال ہے کہ پورا کھالیں۔ بچا ہوا لنچ باکس واپس آجاتا ہے۔"

-"آپ بتائیں! آپ نے آج کیا پکایا ہے۔ میں نے تو بریڈ رول بنائے ہیں اور ساتھ سوپ ہے۔ فروٹ چاٹ بھی بنالی ہے۔"

-"ارے نہیں، آلو گوشت تو رکھا ہے، مگر ایک سالن تو کافی نہیں ہوتا نا اس لیے قیمہ گوبھی، مٹر بھی چڑھا دیا ہے۔"

-"فریش جوس یا شیک تو صبح سویرے پی لیتے ہیں نا، پھر دو گھنٹے بعد پراٹھے، انڈے یا کبابوں اور چائے کا ناشتہ ہوتا ہے۔ چھٹی والے دن پوری، چھولے اور حلوہ منگوالیتے ہیں۔"

-"نہیں بھئی، روایتی چیزیں پکاپکا کر تنگ آگئی ہوں، دعوت کے لیے کوئی نئی سی چیز بتاؤ؟"

-"ایسا کریں پاٹ چکن، تکہ بریانی، دو تین سالن، میٹھے میں گاجر اور انڈوں کا حلوہ، گرما گرم گلاب جامن بنالیں، اب اتنا تو ہونا ہی چاہیے۔"

-"آج تو ٹھنڈ کی وجہ سے کچھ بھی پکانے کا دل نہیں کر رہا۔ آرڈر کر دیں، مٹن چکن مندی اور مکس باربی کیو پلیٹر منگوالیں اور پوچھ لیں کس نے ساتھ کیا کھانا ہے۔"

-"ذرا فون سن لینا، میں مچھلی دھو رہی ہوں۔

-"نہیں ابھی بہت کام ہے، بات نہیں کر سکتی۔ فرائی کے لیے فنگر فش مسالا لگا کر الگ رکھنی ہے اور سالن کے لیے ہڈی/کانٹوں والی الگ کرنی ہے۔"

-"نہ جی نہ، روز کیا پکے گا سوچتے بھی رہو، پکاتے بھی رہو۔ اسی لیے ویک اینڈ پر تو میں گھر میں کچھ پکاتی ہی نہیں۔ آخر کو یہ ریسٹورینٹ کس دن کے لیے کھولے گئے ہیں، جب ہم یہی کرتے رہیں گے تو وہاں کون جائے گا۔"

-"فریزر بھرا پڑا ہے گوشت سے، پھر کباب، نگٹس، کوفتے بھی ہیں، باقی آپ کو پتا ہے میں مصالحہ لگا کر بھی تو رکھتی ہوں نا کبھی فرائی کرنے کے لیے یا بھوک لگی تو جلدی سے کچھ بنالیا۔"

◆◆◆

اب تک تو ان کھڑکیوں سے اذان کی آواز آنا شکر گزاری کی وجہ بنتی تھی۔ کبھی یہ روشنی اور ہوا کے لیے اچھی لگتی تھیں، لیکن جب سے سردیاں شروع ہوئیں اور پنکھے بند ہوئے ہیں، یہ کھڑکیاں تو آزمائش ہی بن گئی ہیں۔ اوپر والے گھر سے آنے والی آوازوں کو خاموشی سے سنتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ کیا لوگوں کی زندگی میں کھانے پکانے اور ان کو کھانے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں بچا؟ کیا لوگوں کی زندگی کا کوئی بامعنی مقصد نہیں رہا؟

وہ اپنے باورچی خانے میں کام کر رہی تھی، جہاں عموماً پکانے کے لیے تھوڑی سی مقدار میں دال یا سبزی کے علاوہ بہت کم ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ خود تو شکر گزار رہتی تھی کہ پکانے یا کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو موجود ہوتا ہی ہے، کسی دن بھی بھوکا تو نہیں سونا پڑتا۔

لیکن بچوں کی شکل دیکھ کر، ان کی ننھی خواہشوں کے آگے دل بجھ سا جاتا کہ جو اکثر اپنی خواہشوں کو ان کہے پر چھوڑ دیتے، جو رنگ برنگے پھلوں اور طرح طرح کے کھانوں کے لیے کچھ بھی کہے بغیر یا کبھی کبھار کوئی فرمائش کر کے اس کے سمجھانے پر خود ہی اپنا دل مار لیتے اور اس کی اپنی خواہشیں تو جیسے کہیں کھو گئی تھیں، ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، بھولے سے بھی یاد نہیں آتی تھی۔ ویسے بھی وہ یادوں سے گلے لگ کر رونے کے لیے رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے خواہشات اور بھوک کے خوف میں مبتلا نہیں ہونا تھا اور نہ ہی وہ اپنے بچوں کو ایسی پریشانی میں مبتلا دیکھ سکتی تھی۔

اسے اُمید تھی کہ یہ چیزیں اگر اس کے بچوں کے لیے لکھی جا چکی ہیں تو انہیں ضرور ملیں گی، کوئی طاقت روک نہیں سکتی اور اگر ان کے نصیب میں نہیں لکھیں تو کوئی بھی کوشش ان تک پہنچا ہی نہیں سکتی۔ یعنی سارا کھیل ہی ایمان کی پختگی کا ہے اور یہ نسخہ ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ہمیشہ کی طرح اسے مدد مانگنی تھی، اسی ایک ذات سے جو ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھی، جس کے آسرے پر اس نے بڑی بڑی ضرورتیں کاٹی تھیں، جو اسے کبھی اکیلا نہ چھوڑتی تھی۔

اذان کی دل فریب آواز ایک بار پھر آرہی تھی۔ یہ سردیوں کے دن بھی نا کتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔ ہمیں نمازوں سے غافل ہونے ہی نہیں دیتے۔ یہ اللہ بھی نا ہم سے کتنا پیار کرتے ہیں، ٹھنڈ کی وجہ سے ہمیں بار بار وضو نہ کرنا پڑے تو جلدی جلدی اذانیں ہو جاتی ہیں، تاکہ ہم ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کی آسانی اٹھالیں، پھر کسی مشکل کا رونا کیا؟ بھلا کسی مشقّت کا شکوہ کیسا؟ حالاں کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، لیکن اسے تو ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ یہاں تو اللہ مشکل سے پہلے ہی آسانی اتار دیتے ہیں۔ چاہے لوگوں کو نظر بعد میں آئے یا لوگ غور کر کے دیکھنے میں دیر کر دیں۔

"آج ہی اس کھڑکی کو بند کرواتی ہوں، نہ یخ ٹھنڈی ہوا آئے گی اور نہ ہی دل جلانے والے آوازیں۔"

کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اذان کی آواز کھڑکی بند ہونے کے باوجود بھی آئے گی۔ وہ مطمئن ہو کر نماز ادا کرنے چل دی، تاکہ پُرسکون ہو سکے۔

شجرِ طیّب

ام نسیبہ

"الحمدللہ!"

اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز آئی۔

اس نے چھلنی دل اور زخمی روح کے ساتھ جس پودے کی آبیاری کی تھی، وہ آج تناور درخت بنا تو اس کی تربیت کی نہ صرف لاج رکھ لی تھی، بلکہ اعلیٰ ظرف کا اعلیٰ ظرف بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔

"اماں! بہادری کا مطلب کیا ہوتا ہے؟" شعور کی منزلیں طے کرتے عبداللہ نے ایک روز ماں سے پوچھا تھا۔

"بیٹا! اصل بہادر وہ ہوتا ہے جو طاقت و قدرت رکھتے ہوئے بھی در گزر کا معاملہ کرے اور معاف کردے۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"اماں! پھر تو میں بھی بہادر بنوں گا۔" عبداللہ بولا۔

"ہاں، میرا چاند تو ہے ہی بہادر۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

بے ربط سی یادیں اس کے دماغ کی اسکرین پر جگمگانے لگیں۔

اس نے آنکھیں موندلیں اور خود کو ماضی کے دھارے کے سنگ بہنے دیا۔

◆◆◆

"شام ڈھلتے ہی پرندے بھی اپنے آشیانوں میں لوٹ آتے ہیں، پر میرا پنچھی تو ایسا گیا کہ پردیس کا ہی ہو کر رہ گیا اور لوٹ کے نہیں آیا۔" اس کا شکوہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔ شادی کے تین ماہ بعد عامر دیارِ غیر گیا تو پلٹ کے نہ آیا۔ چند ماہ بعد فاطمہ کی گود میں گل گوتھنا سا بیٹا آگیا۔ بیٹے کے آجانے کے بعد ہر پل اسے اس لمحے کا انتظار رہنے لگا کہ کب عامر آئے تو اس کی زندگی بھی مکمل ہو، پر یہ انتظار طویل ہی ہوتا گیا۔ عورت کی زندگی مرد کے بغیر ادھوری سی ہوتی ہے اور جب اولاد ہو جائے تو یہ ادھورہ پن لمحہ لمحہ ڈستا ہے۔ زندگی کے ہر ہر موڑ پر کسی سائبان، کسی مضبوط سہارے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ عین جوانی کے وقت فاطمہ کے دل میں بھی آرزوؤں کے بے شمار جگنو ٹمٹماتے تھے۔ عامر ہر خط میں جلد آنے کا آسرا دیتا اور وہ آسرا آسرا ہی رہتا۔ ہر ماہ فاطمہ کو ایک معقول رقم عامر کی طرف سے مل جاتی، جس سے وہ خوش اسلوبی سے گھر کا نظام چلاتی تھی، مگر ہاتھوں میں نوٹوں کا ہونا ہی سب کچھ تو نہیں ہوتا، زندگی کی پُر خار راہوں پر جب وہ چلتے چلتے تھک جاتی تو اس کا دل بھی چاہتا تھا کہ اس کا ہم سفر بھی ساتھ ہو جو اس سفر کو آسان بنادے، جس کا مضبوط بازو تھام کر وہ خوشی خوشی زندگی کی راہوں پر چلے۔

تین نفوس پر مشتمل ایک نامکمل سا گھرانہ تھا، جس میں فاطمہ، عبداللہ اور عامر کی والدہ شامل تھیں۔ عبداللہ کو اسکول میں داخل کروانے کے بعد اس نے عامر کو خط لکھ کر کتنی ہی منتیں کیں اور خدا کے واسطے دیے کہ ایک بار آجاؤ، پر جواب میں وہی مجبوریاں۔۔۔ جنھیں بہانے کہنا درست ہوگا۔ عبداللہ کو اسکول چھوڑنا پھر واپس لانا اور گھر اور باہر کے کاموں کے ساتھ ساتھ ساس کی خدمت، رشتوں کو نبھانا اور لوگوں کی طرح طرح کی باتیں سننا۔۔۔ وہ تھک ہی تو جاتی تھی۔ وقت گزرتا گیا عامر کو نہ آنا تھا وہ نہ آیا۔ اس پر ستم کہ خط اور آمدن بھیجنے کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے رُک ہی گیا۔

"نامعلوم عامر کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے، وہ زندہ بھی ہے یا۔۔۔"

اس سے زیادہ سوچنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

سالہا سال گزر گئے، عامر کی والدہ اسے دیکھنے کی حسرت لیے ابدی جہاں سدھار گئیں۔ لوگوں نے فاطمہ کو عدالت کے ذریعے طلاق لینے اور دوبارہ گھر بسانے کے مشورے دیے، مگر فاطمہ نے عبداللہ کی اچھی پرورش کو زندگی کا مقصد بنالیا۔

اس نے سلائیاں اور ٹیچنگ کر کے عبداللہ کو پڑھایا، اس کی اچھی تربیت کی اور ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اس کا بیٹا کسی احساس کم تری کا شکار نہ ہو۔ اپنی اس کوشش میں وہ کام یاب بھی رہی۔ اللہ نے اسے عبداللہ کے معاملے میں ہمیشہ سرخرو کیا۔ صبح عبداللہ کے ساتھ ہی اسکول جاتی اور واپس آتی، پھر شام میں ٹیوشن پڑھاتی اور محلے کی عورتوں کے کپڑے سلائی کرتی۔ شکر کہ چھت اپنی تھی تو زندگی جیسے تیسے کٹتی رہی۔ عبداللہ اسکول سے کالج، کالج سے یونی ورسٹی پہنچ گیا۔

عبداللہ کو ایم بی اے کے بعد ایک فرم میں بہت اچھی ملازمت مل گئی تو فاطمہ نے سکون کا سانس لیا اور اسکول کی نوکری چھوڑ دی۔ زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ ملازمت کے کچھ عرصے بعد عبداللہ ماں کو لے کر حج کرنے گیا۔ وہاں جاکر فاطمہ کو لگا کہ دل میں موجود خلا کو رب نے اپنی رحمتوں سے یک دم بھر دیا۔ اسے احساس ہوا کہ جب ربّ تعالیٰ کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر کوئی غم، غم نہیں لگتا۔ ہر طرح کے دنیاوی حزن وملال کو وہ وہیں چھوڑ آئی تھی اور اللہ کی محبت کو ساتھ لے آئی تھی۔

◆◆◆

اور آج چوبیس سال بعد چند لوگ جس شخص کو اس کی دہلیز پر اٹھا کر لائے تھے، وہ ہر گز رعب و دبدبے والا عامر نہ تھا۔ وہ تو ایک زندہ لاش تھی، جسے اس کے گورے بچوں اور بیوی نے بیماری کے باعث دھتکار کر اولڈ ایج ہوم میں داخل کروادیا تھا اور بعد ازاں عامر کے پُرزور اصرار پر اسے پاکستان بھیج دیا تھا۔

ائیر پورٹ سے ساتھ آئے ایک آدمی نے کچھ کاغذات عبداللہ کو دیے، جسے دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے چکرا گیا۔

"باپ۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

یہ لفظ تو کبھی اس کی زندگی میں شامل ہی نہ تھا۔ اس رشتے کے تقدّس کو وہ کیوں کر جانتا۔ ایک لمحے کو اس کے جی میں آیا کہ وہ اس شخص سے لاتعلّقی کا اظہار کردے۔ کیا کیا تھا اِس شخص نے اُس کے لیے جس کی بنا پر وہ اِس اپاہج انسان کا سہارا بنتا، جو شخص اس کی عظیم ماں کو خوشی و آسودگی کے چند پل نہ دے سکا، وہ کیسے اس کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ بنا سکتا تھا۔ اسے اپنی ماں کے آنسو یاد آئے جو وہ آزمائشوں سے تھک کر چپکے چپکے بہایا کرتی تھی۔

اُس کے اندر گویا ایک جنگ چھڑ گئی۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے اپنی سوچ کو بدل ڈالا اور اپنے نام نہاد باپ کو اپنا کر اپنی اعلیٰ ظرف ماں کی اچھی تربیت کا ثبوت دیا۔ اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک بہادر ماں کا بہادر بیٹا ہے کہ جب ساری زندگی خود پر بیتے کٹھن وقت کے حساب لینے کا وقت آیا تو اس نے دل میں نہ صرف وسعت پیدا کرلی بلکہ اپنے باپ کو معاف بھی کردیا۔ اس نے عامر کے لاچار وجود کو تأسف سے دیکھا جو اپنے کیے کی سزا بھگت رہا تھا۔

پاس کھڑی فاطمہ نے اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور اس لاغر وجود کا ہاتھ تھام لیا۔

یادوں کا قبرستان

تنزیلہ یوسف

ابا حلقۂ یاراں میں نہایت غصیلے مشہور تھے، لیکن اللہ جانتا ہے ہم بہنوں پر کبھی غصہ نہیں نکالا۔ ہاں، اکلوتے بیٹے کو ضرور شیر کی نگاہ سے دیکھا۔

نو سال کی عمر میں محنت مزدوری کا آغاز کیا تو یہ سلسلہ آخری سانس تک جاری رہا۔ دادا نے دادی کی وفات کے بعد دوسرا بیاہ کیا تو نئی اماں روایتی سوتیلی ماں ثابت ہوئیں۔ بہت مارتی پیٹتی تھیں۔ پھپھو نے جن کا بیاہ ہو چکا تھا، ابا سے محبت و شفقت کا یوں اظہار کیا کہ کم سِن بھیّا کو کسی دور کے رشتے دار کے ہم راہ کر دیا۔ جان نچھاور کرنے والی ماں جیسی بہن کا ساتھ میسر تھا تو باپ جیسی شیر کی نگاہ رکھنے والے پھپھا بھی بہت دور نہ تھے۔ ابا، ماں (پھوپھو) کی محبت کے ساتھ باپ (پھوپھا) کی سختی کے سائے میں بڑے ہوئے۔

◆◆◆

پھوپھا کا اپنا ہوٹل تھا جو ریلوے دفتر سے چند قدم کی دوری پر تھا۔ ریلوے میں پُرکشش (رہائش اور بعد از ریٹائیر منٹ گریجویٹی) سرکاری نوکریوں کا اعلان ہوا۔ پھوپھا نے بھاگ دوڑ کی اور یوں ابا ریلوے میں "کی مین" بھرتی ہوگئے۔ کوئی نوکری کی بابت پوچھتا، ابا فخر یہ بتاتے۔

"کی مین بھرتی ہوا ہوں۔" کبھی اسکول کا منہ نہ دیکھنے والے انگوٹھا چھاپ کو سرکاری نوکری مل جانے پر رشک حسد کی ملی جلی نظروں کا سامنا رہتا، لیکن مزاج کی سختی عیب بن کر ساری خوبیاں ڈھانپ دیتی۔

اماں اور ابا کے نصیب ساتھ جڑے تھے شاید یوں بھی ابا کا کہیں اور رشتہ نہ ہو پایا۔ نانا ابا جو پھوپھا کے منہ بولے بھائی بھی تھے، ابا کا رشتہ لے کر کہاں کہاں نہیں گئے۔ انھی میں کسی منہ پھٹ نے کہہ دیا کہ اتنا ہی عزیز ہے تو اپنی بیٹی کیوں نہیں دے دیتے۔ عزیز رکھنے کا طعنہ ٹھیک کر کے نانا ابا کے دل کو لگا اور سانولی سلونی اماں دلہنیا بنی دودھ ملائی سی رنگت کے دھان پان سے ابا کے ہم راہ سرکاری کوارٹر میں آن بسیں۔

سرکاری نوکری کے ساتھ ملنے والی سہولتیں آسائشیں لگا کرتیں۔ کچھ عرصے بعد ابا کی ترقی ہو گئی۔ ابا ہاؤس کیپنگ میں آگئے۔ ہاؤس کیپنگ میں آنے کے بعد بھی دفتر کے تمام کمروں کے تالے بند کرنا انہی کے ذمے لگا رہا کہ کسی میں بھی اتنا جگرا نہ تھا کہ رات گئے گورا سرکار کے دور کی بنی سرخ اینٹوں کی عمارت کی گھمن پھیریوں میں نادیدہ مخلوقات کا سامنا کرتے۔ ابا بیک وقت دو دو ڈیوٹیاں نبھاتے۔ بظاہر اس وقت کے کی مین پر غصہ کرتے جو انھیں اکثر رات گئے دفتر کے تالوں کی چیکنگ کی غرض سے لے جانے کو بلانے آتے۔ ابا بر ہم ہوتے، لیکن کبھی جانے سے انکاری نہ ہوتے۔ ہنستے جاتے اور کہتے کہ ہماری تو آج تک کسی پچھل پیری، کسی بزرگ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

پچھل پیری والا قصہ کچھ یوں ہے کہ ابا کی ترقی ہونے کے بعد نئے کی مین دن میں دفتر کے کسی کمرے کا تالا بند کرنا بھول گئے تو رات میں یاد آنے پر یہ کام کرنے دفتر کی اوپری منزل میں تھے کہ ایک کمرے کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انتہائی خوب صورت لڑکی وہاں کھڑی ہے۔ دفعتاً ان کی نظر اس لڑکی کے پیروں پر گئی۔ ڈر کر دروازہ بند کیا۔ تبھی ایک خیال نے انھیں دروازہ پھر سے کھول کر دیکھنے پر مجبور کیا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ گرتے پڑتے دفتر کے احاطے سے باہر آئے۔

اس کے بعد کبھی دفتر کے کسی کمرے کا تالا لگانا بھول جاتے تو یاد آنے پر سیدھے ابا کے پاس آتے۔ انہی دنوں دفتر کے احاطے میں قدیم طرز کی بنی عمارت کی سرخ اینٹوں کے پاس وہاں کام کرنے والوں کو سفید لباس میں ملبوس باریش بابا جی دکھائی دینے لگے۔ ابا جب کبھی کسی کا بتاتے کہ آج فلاں نے ان بابا جی کو دیکھا، ساتھ ہی مسکراتے ہوئے یہ بھی کہتے کہ ہمیں تو آج تک کچھ نظر نہیں آیا۔ ابا کے دوست شرط لگاتے اور ابا مزے سے ساری رات قبرستان میں گزار آتے۔

ابا بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ بڑی سے بڑی بات ہو جاتی پر ابا کے حوصلے چٹان جیسے مضبوط رہتے۔ ابا پڑھے لکھے نہ تھے۔ اس بات کا ساری زندگی قلق رہا۔ بھائی اور ہم بہنوں کو کہا کرتے کہ پڑھا کرو، نہیں پڑھو گے تو ہماری طرح مزدوری کرو گے۔ پڑھ لکھ کر افسری کرنا۔ آج ہم بہنیں اور بھائی پڑھ لکھ کر بھلے افسری نہیں کر رہے، لیکن کسی افسر سے کم بھی نہیں۔

ابا نے کبھی نہیں چاہا کہ رزقِ حرام سے ہماری شناسائی بھی ہو۔

ساری زندگی رزقِ حرام پر حلال روزی کو ترجیح دی۔ ان کی یہی کوشش رہی کہ بچے رزقِ حلال پر پرورش پائیں۔ ان کی انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج کے دور میں جب حلال، حرام کی تمیز یک سر مٹ چکی ہے۔ ہم آج بھی ان اقدار کو لیے بیٹھے ہیں جو کبھی پُرکھوں کی نشانی رہی ہے۔ ابا آج ہم میں نہیں۔ گیارہ جون دو ہزار سات کو جب ہم بہنیں اپنے اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں، بھائی روزگار کی غرض سے دیارِ غیر میں قدم جمانے کی تگ ودو میں تھے۔ ایک قیامت ہم پر گزری۔

گیارہ جون کی گرم دوپہر میں ابا ظہر کی نماز کے بعد اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے سونے گئے تو عصر کی نماز کو اٹھ نہ پائے۔ زندگی میں پہلی اور آخری نماز تھی جو قضا ہوئی یا شاید اس نماز کی مہلت نہ ملی کہ اب ابا کا بلاوا آگیا تھا۔ ہسپتال لے جایا گیا، لیکن ابا دل کے دورے میں جاں بر نہ ہو سکے۔ ۸۰ سال کی عمر میں مضبوط اعصاب کے ابا جسمانی طور پر بہت کم زور ہوگئے تھے۔ بھائی دور دیس روزی روٹی کے جھمیلوں میں اُلجھے بیٹھے تھے تو ہم بہنیں اپنے اپنے گھروں کی ہو گئی تھیں۔

ایسی ہی ایک گرم دوپہر میں ابا کو اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔ بھائی اپنا غم بھلا کر ہم بہنوں کے لیے ابا کا کردار نبھانے لگے کہ کسی کو تو ان کی ذمہ داریاں سنبھالنا تھیں، پھر بھی ہم بہنوں کو یہی لگتا تھا کہ بھری دوپہر میں چھت سے محروم کردیے گئے ہوں۔ ابا! یہ سچ ہے کہ آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ ہماری زندگیاں آپ کے بنا بے رونق ہو گئی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اجل کے آگے کسی کی نہ چلی، ہم پچھلے کئی برسوں سے اپنے اپنے دلوں میں آپ کی یاد کا قبرستان آباد کیے بیٹھے، آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔

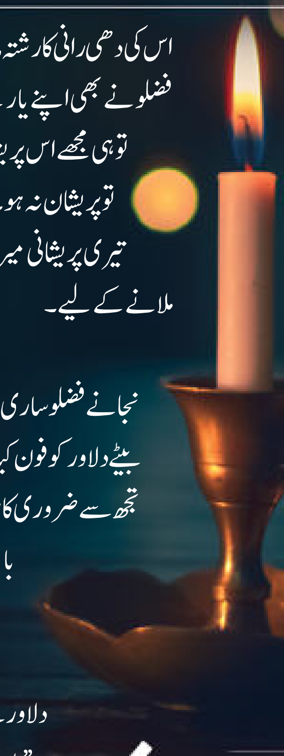

قسمت کے کھیل

بنت محمود

"بس بس فریدے تو اپنی دھی رانی میرے نواز نُوں دے دے۔ میں اپنی دھی کو بہو نہیں بیٹی بنا کر رکھوں گی۔" پھوپھی ارشاد نے حق جتلاتے ہوئے کہا۔
فرید غریب ضرور تھا، لیکن مجبور نہیں تھا۔ اس کو کوئی جواب نہ سوجھا تو اپنی بہن سے کہنے لگا۔
"میری پیاری آپا! ابھی تو میں نے اپنی دھی رانی کو پوری 14 جماعتیں پڑھانی ہیں۔ استانی بنانا ہے۔"
پھوپھی ارشاد فوراً بولیں: "بھا فریدے! میں کون سا ابھی بارات لانے کا کہہ رہی ہوں۔ میں اپنے بیٹی کو نواز کے نام کا شگن دے کہ پکا کر جانے کا کہہ رہی ہوں۔"
میری ماں جائی! ابھی نائمہ چھوٹی ہے، ابھی وہ ویلا نہیں آیا، ابھی تو اسے بہت پڑھنا ہے۔ فرید نے جیسے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
آپا ارشاد نے ایک آہ بھری اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"چل فیر ٹھیک ہے، جب تو سوچے تو میرے نواز کے ساتھ کا ضرور سوچنا۔ اب میں چلتی ہوں، نواز تو اتاولا ہو رہا ہو گا، اسی کے کہنے پہ تو میں رشتہ ڈالنے آئی تھی۔"

دراصل ارشاد پھوپھی کے بیٹے نواز کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا، اوباش لڑکوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھا، ان کے ساتھ وقت گزار نا روز کا معمول تھا اور رہی سہی کسر رات کو نشہ کر کے پوری کر دیا کرتا تھا، گاؤں کے سبھی لوگ اس بات سے واقف تھے، پھر بھی پھوپھو ارشاد اپنے ناکارہ بیٹے کا رشتہ بڑے فخر سے لے آئیں تھیں۔

فرید ایک ہفتے پریشان رہا، بہت سوچ بچار کے بعد اپنے دوست فضلو سے اپنی پریشانی کا اظہار کر دیا۔
"یار فضلو! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" فرید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"بول میرے یار! کیا بات ہے۔" فضلو نے فرید کے چہرے کو غور سے دیکھ کر کہا۔
فرید کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا: "یار تو تو جانتا ہے، میری ایکو اک دھی رانی ہے، میں اس کو خوب سا پڑھانا چاہتا ہوں، ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔ ارشاد آپا اپنے نواز کا رشتہ لے کر آ گئیں۔ تجھے تو نواز کی شہرت کا پتا ہے۔"
"تو تم آپا کو ٹال دو، جب تک وہ پڑھ نہ لے۔"
فضلو نے ساری بات سن کر کہا۔
فرید کے چہرے پہ اب بھی الجھنیں تھیں، جس کو وہ بیان نہیں کر پا رہا تھا، پھر بھی ہمت جمع کر کے بولا: "یار! میں نے بھی وقتی طور پہ آپا کو ٹال دیا، لیکن نواز اپنی ضد کا پکا ہے، ضد ضرور پوری کرتا ہے۔"
ساتھ ہی فرید نے امید طلب نظر سے فضلو کو دیکھا، کیا پتا وہ اپنے انٹر پاس بیٹے کے لیے اس کی دھی رانی کا رشتہ مانگ لے، یار ہونے کا فرض نبھا جائے۔
فضلو نے بھی اپنے یار کے چہرے پہ لکھی تحریر پڑھ لی، جس پہ لکھا تھا میرے یار تو ہی مجھے اس پریشانی سے نکال سکتا ہے۔ اچھا چل فریدے کچھ سوچتے ہیں تو پریشان نہ ہو۔ فضلو نے فرید کے کندھے کو تھپتھپایا جیسے کہہ رہا ہو کہ تیری پریشانی میری پریشانی ہے، ابھی میرا کندھا ہے تیرے کندھے سے ملانے کے لیے۔

نجانے فضلو ساری رات کیا سوچتا رہا۔ صبح تڑکے کسی فیصلے پہ پہنچتے ہوئے اپنے بیٹے دلاور کو فون کیا اور کہا: "بیٹا اس واری تو ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آ جا، مجھے تجھ سے ضروری کام ہے۔ میری عزت کی لاج رکھ لے۔"
بابا! میں جمعے کی رات کو نکلوں گا تو صبح تڑکے گاؤں پہنچ جاؤں گا۔ اتنا کون سا ضروری کام پڑ گیا کہ آپ نے مجھے ایک ہفتے کے لیے چھٹی لینے کا کہا ہے۔ گھر میں سب خیر تو ہے۔
دلاور نے فکر مندی سے پوچھتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہاں، میرے لال سب ٹھیک ہے۔ بس تو جیھتی آ جا۔"
فضلو نے فون پہ بات ختم کر کے ایک لمبی سانس لی، جیسے اس کی مشکل حل ہو گئی ہو۔

آج تو فضلو کی ٹور ہی نرالی تھی۔ آج اس کا بیٹا دلاور آ رہا تھا اور شام وہ اپنے جگری دوست فرید کے گھر اس کی دھی رانی کا ہاتھ اپنے قابل بیٹے کے لیے مانگنے جا رہا تھا۔
جیسے ہی دلاور نے گھر میں قدم رکھا فضلو نے ایک پیار بھری آنکھ سے دلاور کو دیکھا جو ہو بہو اپنی مرحوم ماں کی بولتی تصویر تھی۔ نذیراں کو ملک عدم جانے کی شاید بہت جلدی تھی۔ اپنے دو سال کے بچے کو بھی نہ دیکھا۔
آج وہ اگر زندہ ہوتی تو کتنے شوق و چاؤ سے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ لے کر جاتی۔ ایک آنسو لڑھک کر فضلو کی گود میں گرا۔
"بابا، السلام علیکم! اتنی کیا پریشانی ہو گئی تھی کہ آپ نے جلدی بلا لیا، وہ بھی ایک ہفتے کے لیے۔" دلاور نے لاڈ سے گلے لگتے ہوئے فضلو سے کہا۔
"بیٹا ابھی آئے ہو اور آتے ہی سوال شروع ہو گئے، تم نہا لو تازہ دم ہو جاؤ، کچھ ناشتہ چائے کھا پی لو تو پھر بات کرتے ہیں۔" فضلو نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔
دلاور کو ساری صورتِ حال بتا کر فضلو نے پوچھا: "بیٹا جی! تجھ کو تو کوئی اعتراض نہیں نا۔"
دلاور نے مسکراتے ہوئے کہا: "بابا! آپ نے کچھ سوچ کر ہی میرے لیے یہ فیصلہ کیا ہو گا۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں، آپ آج فرید چاچا کے گھر جائیں اور ان سے بات کریں۔"

"فرید! آج میں بڑے مان سے اپنے بیٹے دلاور کا رشتہ تیری دھی رانی کے لیے لایا ہوں، مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔" فضلو نے اپنی جھولی پھیلاتے ہوئے کہا۔

فرید کی تو جیسے دلی مراد پوری ہو رہی تھی، چہرے پہ ایک دم پریشانی کے آثار چھٹ سے گئے تھے۔ فرید نے فوراً ہی کہا: "میرا یار کہے اور میں نہ دوں، بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے! آج سے میری دھی رانی تیری بہو ہوئی۔"
"صرف زبانی کلامی بات سے کچھ نہیں ہو گا، ہم لڑکے والے ہیں۔ ہم اپنی ہر بات منوائیں گے۔" فضلو نے شوخ ہوتے ہوئے کہا۔
فرید نے بھی بڑے ناز سے کہا: "ہم بھی لڑکی والے ہیں، کیا کریں لڑکے والوں کی بات کے آگے گھٹنے ٹیکنے کو تیار ہیں۔"
"بول یار بول! کیا بات منوانی ہے، تو کہے اور میں نہ مانوں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"
فضلو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ بات بول دوں یا چپ رہوں، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا: "پھر یار ایسا ہے کہ تو اپنی دھی دے ہی رہا ہے تو ابھی کے ابھی نکاح کر کے میرے بیٹے کے ساتھ رخصت کر دے۔ دیکھ یار! مجھے جہیز نہیں چاہیے۔ تو اپنی دھی رانی دے رہا ہے، میرے لیے یہی کافی ہے۔"
فرید فضلو کی بات سن کر بوکھلا سا گیا! "یہ کیا بھائی؟ خالی ہاتھ کیسے رخصت کر دوں؟ ایکو اک میری دھی رانی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔"
فضلو نے سمجھاتے ہوئے کہا: "اوہ یارے! تو کب سے لوگوں کی فکر کرنے لگا۔"
فرید نے سوچتے ہوئے کہا: "چل ابھی تو نہیں، لیکن آنے والے جمعے میں نماز کے بعد مسجد میں نکاح کر کے اپنی دھی رانی تیرے گھر رخصت کر دوں گا، بس خوش!!"
فضلو کسی گہری سوچ میں تھا۔ "پر ایک کام کرنا کسی کو اس رشتے کے طے ہو جانے کی خبر نہ دینا اپنی لاڈلی بہن کو بھی۔"
فرید نے بھی جیسے فضلو کی سوچ پڑھ لی ہو اور لمبی آہ بھرتے ہوئے کہا: "ہاں یار! بات تو تیری ٹھیک ہے، میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا، نماز کے بعد ہی نکاح ہے تو مسجد میں جتنے لوگ ہوں گے وہ نکاح میں شامل ہو جائیں گے۔"
"بس، پھر طے ہوا!" یہ کہتے فضلو اٹھ کھڑا ہوا۔

آج تو فضلو دل سے تیار ہوا کہ اپنے نکّے ایکو اک کاکے کی شادی ہے۔ کیا کیا ارمان تھے دل میں!! لیکن دوستی کی خاطر سب قربان کر دیے۔ اس کو معلوم ہی نہ تھا، قسمت تاک لگا کے بیٹھی ہے، نہ جانے کس طرح آج نکاح کی خبر فرید کی بہن کے گھر پہنچ چکی تھی۔
پھوپھی ارشاد اور نواز تو آگ بگولا ہوئے تھے، نواز نے اپنی بوڑھی ماں کو نجانے کیا کیا سنا دیا تھا۔ "تم تو کہتی تھیں تمہارا بھائی تم کو کبھی منع نہیں کر سکتا، پھر اس نے کیسے چھپتے چھپاتے اپنی دھی کا رشتہ اپنے جگری دوست کے گھر کر دیا اور آج نکاح بھی ہے، میں بھی دیکھتا ہوں وہ کیسے دلاور کے سنگ جاتی ہے۔"
نواز اتنا کہہ کر گھر پہ رُکا نہیں اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

نائمہ کے زندگی کا یہ دن سب سے عجیب تھا، نہ ڈھولک نہ سکھیاں، نہ گھر میں سجاوٹ۔۔۔ رات چاچا فضلو سرخ جوڑا دے کے گئے تھے، جو کل ہی دلاور شہر سے لایا تھا۔
"نائمہ چل دھی رانی جلدی سے نہا کر نماز پڑھ ابھی مسجد سے مولوی آ جائیں گے۔" نائمہ کی ماں کے دل میں نجانے کیا کیا وسوسے تھے، جن کو جھٹک کر وہ نائمہ کو آواز لگا بیٹھی۔
جمعے کی نماز کے ختم ہوتے ہی مولوی صاحب دو گواہ کے ساتھ فرید کے گھر پہ تھے۔ ابھی اقرار ہونا باقی تھا کہ مسجد سے گولیاں چلنے کی آواز آنے لگیں، فرید اور دوسرے گواہ مولوی صاحب کے ساتھ تیزی سے مسجد کی جانب بھاگے۔
فرید مسجد کے دروازے پہ کھڑا اپنے جگری دوست کو خون میں لَت پَت اکھڑی سانس کے ساتھ فضلو کی انگلی کے اشارے کی طرف دیکھتا ہے، جہاں فضلو کا نازو پلا دلاور کب کا موت کی آغوش میں سو چکا تھا۔ فضلو نے آخری بار مسکراتے ہوئے فرید سے کہا: "یار! میں نے اپنی دوستی نبھانے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا، جب ہم قیامت میں ملیں تو تُو گواہی دے دینا۔"
فرید کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ کب نواز نے مولوی کو راضی کیا، کب نائمہ کا خود سے نکاح پڑھوایا، کب گھر سے ہاتھ پکڑ کر لے گیا، پتا ہی نہیں چلا۔
ہونی کو کون ٹال سکتا تھا۔ نواز نے پستول دکھا کر سب کام کروا لیا۔

نائمہ ابھی تک تقدیر کی سِتم ظریفی پہ حیراں تھی، دلہن تو وہ بنی تھی، لیکن نواز کی دلاور تو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔
نواز کمرے میں داخل ہوا اور زور زور سے ہنستے ہوئے بولا: "تُو کیا سمجھ رہی تھی تیرا باپ چپکے سے تجھے دلاور کے سنگ رخصت کر دے گا؟ تجھ پہ پہلی نظر میری تھی، میں تجھے کسی اور کا کیسے ہونے دیتا۔"
"چل اب یہ ہار سنگھار اتار، جو دلاور کے نام کا کیا ہے۔ آج سے تو میری بیوی ہے، میں جس طرح تجھ کو رکھوں تُو رہنے کی پابند ہے۔ تُو اب اپنے باپ کے گھر نہیں جائے گی۔" نواز نے نائمہ کے سر سے دوپٹا کھینچتے ہوئے کہا۔

نواز تو نشے کا عادی تھا۔ روز نشہ کر کے آتا اور نائمہ کی خوب دھلائی کرتا۔ پھوپھی ارشاد بچانے آتیں تو ان کو بھی زور سے دھکا مارتا۔
اب تو نائمہ بھی دوسرے جی سے تھی۔ پھوپھی ارشاد اپنا خون تھیں یا خدا ترسی اللہ نے ان کے دل میں ڈال دی تھی۔ وہ نائمہ کا بہت خیال رکھتیں تھیں، لیکن کیسے سمجھاتی نواز کو وہ اس حالت کا بھی خیال نہیں کرتا، نشہ کر کے آتا اور روئی کی طرح دُھنک دیتا۔
یوں ہی پٹتے پِٹاتے زندگی کے چار سال گذر گئے۔ پھوپھی ارشاد بھی ابا کی طرح منو مٹی تلے جا سوئیں۔
اب نائمہ کو بچانے والا بھی کوئی نہیں تھا، لیکن جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے۔ اللہ کی کرنی ایسی ہوئی کہ ایک دن نشہ کرتے نواز کا کسی بات پہ کسی سے جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے میں نواز کو موت کی وادی مل گئی۔ نائمہ روز کی مار پیٹ سے آزاد ہو گئی۔
کچھ دن گھر میں سوگواریت رہی، لیکن کسی کے مر جانے سے دنیا رُک نہیں جاتی۔ نائمہ کو بھی تو اپنے بچوں کا پیٹ پالنا تھا۔ نائمہ نے اسٹور میں پڑی پھوپھی ارشاد کی سلائی مشین نکالی، اس کی گرد صاف کی اور پھر پڑوسنوں سے کہا: میں کب تک آپ پہ بوجھ بنوں گی۔ میں سلائی جانتی ہوں، آپ سب اپنے کپڑے مجھ سے سلوا لیں اور جو معاوضہ دینا چاہیں دے دیں۔

ناقابلِ شکست

بیگم ناجیہ شعیب

برآمدے کی کھونٹی میں ٹوپی اور کوٹ لٹکانے کے بعد بشارت ریشمی پردہ کو ہٹا کر مہمان خانے میں داخل ہوا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ تھکاوٹ سے اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ اگرچہ دو ہزار میل کا سفر کل سات آٹھ گھنٹوں میں طے ہوا تھا، لیکن یہی خیال ہولانے دینے کے لیے کافی نہیں ہے، دو ہزار میل لمبی زمین پیروں کے نیچے سے سرک گئی۔ ایک کونے پر کراچی دوسرے کونے پر ڈھاکہ، اجی اگر تخیلاتی پرواز بھی کر کے کراچی سے ڈھاکہ آئے تو اچھی خاصی تھکن محسوس ہو جائے، لیکن جنٹل مین بشارت ان بوسیدہ خیالات کی رو میں مزید بہنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ تو اس زمانۂ جدید کی عام سی ایجاد ہے۔ ہوائی سفر تو اب بہت ہی معمولی چیز ہو کر رہ گیا ہے، مگر ابھی بھی ہمارے جہازوں کی رفتار کچھ خاص نہیں، دوسرے بڑے ملکوں کے جہازوں کے سامنے یہ جہاز کچھ بیل گاڑی سے کم نہیں۔

دفعتاً بشارت کو خیال آیا۔ اس نے آواز لگائی۔

"شرفو"....!

معاً اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اوہ یہ بڑی بھول ہو گئی کہ میں نے نوکر کو آواز دی۔ برقی گھنٹی کا سوئچ قریب ہی تھا۔ دراصل وہ چھ ماہ بعد کراچی سے ڈھاکہ واپس آیا تھا اور جہاں قیام پذیر ہوا تھا، وہاں نوکروں کو آواز ہی دی جاتی ہے۔

اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور سوئچ دبا دیا۔

پانچ منٹ کا وقفہ گزر گیا اور کوئی نہیں آیا۔ دوبارہ سوئچ دبایا، آمد ندارد!!

وہ جھنجھلا گیا اور آواز لگائی: "بُوا۔۔۔!"

"السلام علیکم بھیّا! آپ آ گئے؟"

اس کی چھوٹی بہن عارفہ عرف چھٹکی پھولی سانسوں کے ساتھ دوڑی ہوئی آئی تھی۔

وہ چڑچڑے پن سے بولا: "نہیں ابھی راستے میں ہوں۔ شرفو کہاں ہے؟ یہ بوا کہاں مر گئی؟"

"جی جی چھوٹے میاں!

"چھوٹے میاں کی بجی سنائی نہیں دیتا اور وہ تیرا شرفو کہاں رہ گیا؟ آج اس نالائق کی خبر لیتا ہوں۔ میں آدھے گھنٹے سے مہمان خانے میں بیٹھا ہوں، مگر کسی کو خبر تک نہیں۔"

"چھوٹے میاں! شرفو تو سودا لینے بازار گیا ہوا ہے۔ بڑے میاں جی دفتر گئے ہیں، ان کے جانے کے بعد ہی تو شرفو بازار گیا ہے۔"

"بہت بولتی ہو۔ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ کم بخت مفت کی روٹیاں کھا کر سانڈ کی طرح ہوتے جا رہے ہو تم لوگ۔ کان کھول کر سن لو! میں تمہیں اور تمہارے شرفو کو اس بنگلے میں رہنے نہیں دوں گا۔"

"چھوٹے میاں! خطا ہو گئی، در گزر کر دیجیے۔ اب کبھی ایسی شکایت نہ ہو گی۔"

بوا نک چڑے بشارت کی منت سماجت کرنے لگی تو اس کا چڑھا پارہ تیزی سے نیچے آیا۔ اس نے بوا کو پانی لانے کا حکم دیا، بوا شکر کا کلمہ پڑھتی ہوئی پانی لینے چلی گئی۔ ڈری سہمی چھٹکی جو دیوار سے لپٹی کپکپا رہی تھی، بھائی کا غصہ ختم ہوتے ہی قریب چلی آئی۔

"بھیّا! آپ بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔ نہا کر کپڑے تبدیل کر لیجیے نا! اتنے طویل سفر کے بعد آرام کرنا ضروری ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہتی ہو۔ اچھا ذرا وہ سوٹ کیس لاؤ۔ دیکھو تو تم سب کے لیے ایک نئی چیز لایا ہوں۔"

"نئی چیز؟" چھٹکی نے اشتیاق سے پوچھتے ہوئے سوٹ کیس گھسیٹا۔

"رکو ابھی دیکھاتا ہوں، یہ دیکھو۔۔۔!"

"یہ! یہی نئی چیز ہے؟ چھٹکی نے اچھنے سے دیکھا اس کا سارا اشتیاق صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں بھئی، میں کیا فارسی بول رہا ہوں۔"

"مگر بھیّا! یہ بھی کوئی نئی چیز ہوئی، یہ تو یہاں بھی ملتی ہے۔"

"ارے چھٹکی! تم خوامخواہ میں حجت کر رہی ہو، دیکھو بھی تو آخر میں کہہ رہا ہوں نا کہ نئی چیز ہے۔"

"افف اللہ! آپ تو یوں ہی کہہ رہے ہیں کہ نئی چیز ہے، یہ تو عام سا شیشے کا گلاس ہے۔"

"ہاں ہاں، یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ شیشے کا گلاس ہے، تم نے پہچان لیا تو کون سا کمال کیا۔ ہاں! اگر یہ بتا دو کہ اس میں کون سی خاص بات ہے تو جانوں۔" بشارت بوجھو تو جانیں والے انداز میں بولا تو چھٹکی کندھے اُچکا کے بولی: "مجھے تو بظاہر کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی، اب آپ ہی بتایئے!"

"یہ بات ہے تو پھر گلاس مجھے دو۔ اچھا جاؤ اس میں پانی لے کر آؤ۔ جاؤ جلدی کرو، میرا منہ کیا دیکھتی ہو، اس میں پانی لاؤ، پھر تماشا دیکھاتا ہوں۔"

چھٹکی نے پانی سے بھرا گلاس بشارت کی طرف بڑھایا۔ بشارت نے گلاس پکڑنے کا بہانہ کیا اور گلاس پختہ فرش پر جا گرا۔ چھٹکی چیخ پڑی۔ بشارت غصے سے بولا: "یہ کیا کیا تم نے؟"

چھٹکی کی آنکھوں میں موٹے موٹے تیرتے آنسو دیکھ کر بشارت نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور چُلبلے انداز میں بولا: "چھٹکی! تم نے دیکھا؟ گلاس کا کیا حشر ہوا؟ ارے دیکھو، یہ پورا صحیح وسالم ہے۔"

"توبہ، توبہ بھیّا! یہی بات مجھے

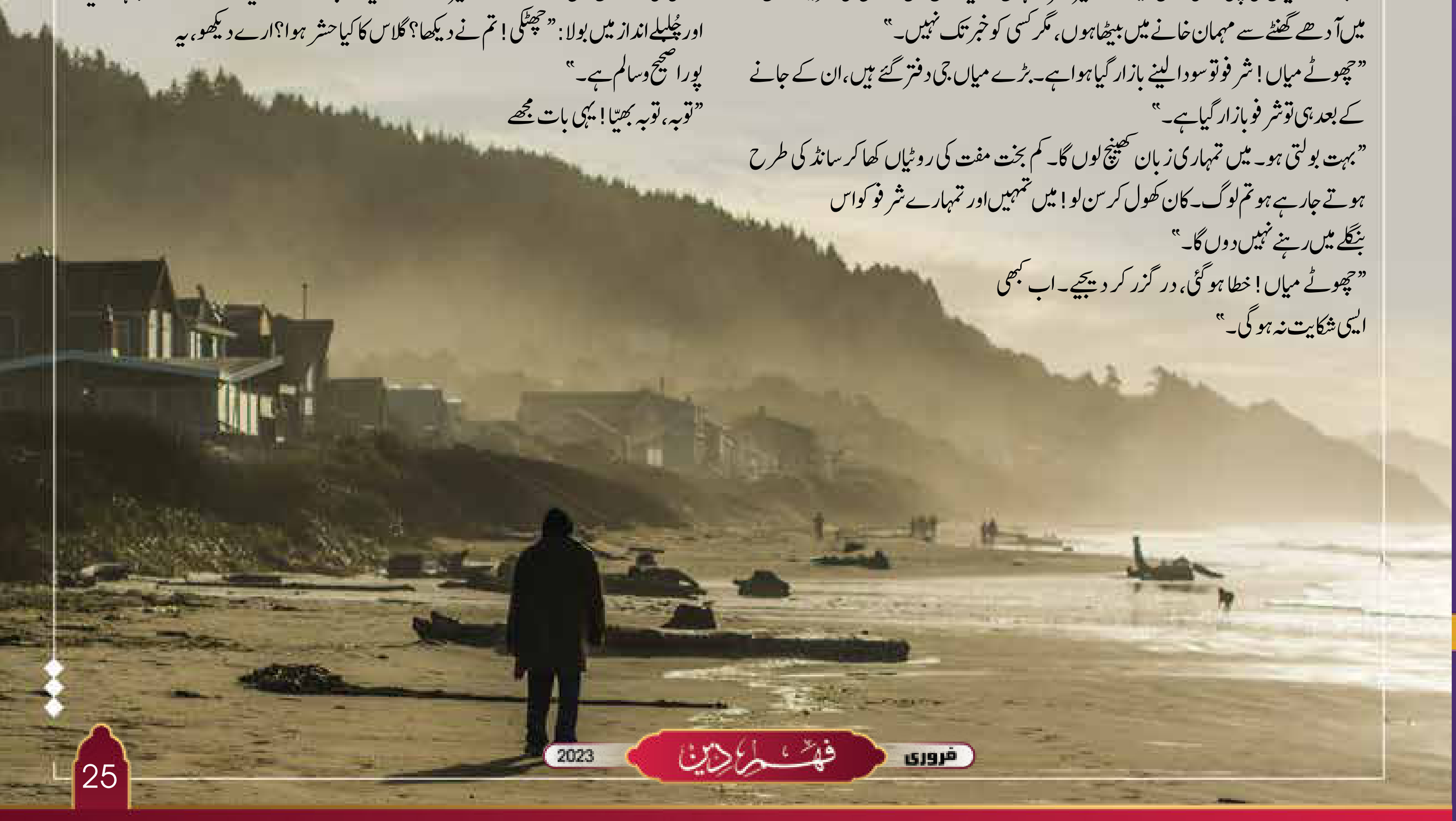

جُنید امین

جُنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

پہلے کہہ دیتے۔ میں کتنا ڈر گئی۔ ارے اللہ! میرا تو دم نکلتے نکلتے رہ گیا۔"
"ہاہاہا! اگر سیدھے پیرائے میں بیان کر دیتا تو تمھیں اتنا تعجب کیسے ہوتا۔ یقیناً اب تم سمجھ گئی ہو گی کہ گلاس میں کیا خاص بات ہے۔"
"یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔"
"ارے چھٹکی! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ایک نہیں دس بار گلاس پر زور آزمائی کر لو۔ میں کہتا ہوں یہ شیشہ نہیں لوہا ہے لوہا۔"
چھٹکی بولی تو کچھ نہیں۔ اٹھی اور پانچ چھ مرتبہ مختلف طریقوں سے گلاس کو فرش پر دے مارا، لیکن اس کا بال بھی بھیگا نہ ہوا۔
اتنے میں شرفو سودا سلف لے کر آ گیا۔ بشارت اسے دیکھتے ہی تیوریاں چڑھاتے ہوئے بولا: "تم کہاں جا کر مر گئے تھے؟"
"چھوٹے صاحب! بازار سے سودا لانے گیا تھا۔"
بشارت جو اس کے ہاتھوں میں تھیلے دیکھ کر لاجواب ہو گیا تھا، تنک مزاجی سے بولا: "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ جاؤ چھٹکی سے گلاس لے کر پانی لے آؤ۔"
"بہت اچھا صاحب!"
"میں کہتا ہوں جلدی کرو۔"
"ابھی گیا اور ابھی لایا صاحب!"
شرفو گلاس میں پانی لے کر آیا تو بشارت نے بناوٹی غصے کا اظہار کرتے ہوئے گلاس فرش پر دے مارا۔
"نالائق! تمھاری آنکھیں ہیں یا بٹن! نان سنس میں اتنا گدلا پانی پیوں گا۔"
"صاحب دوسرا پانی لے آؤں۔" شرفو فرماں برداری سے بولا تو بشارت نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا:
"ارے او نامعقول! دوسرا گلاس لا کر کیا کرو گے۔ اس گلاس کو تو دیکھو۔" شرفو نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے بولا:
"صاحب! گلاس تو بالکل بچ گیا۔"
"اور کیا ٹوٹ جاتا؟ شرفو! یہ معمولی گلاس نہیں ہے، یہ ناقابلِ شکستہ (unbreakable) گلاس ہے۔"
"صاحب! یہ تو فرانس کا معلوم ہوتا ہے۔"
"سٹھیا گیا ہے کیا؟ ارے تو اتنا بھی نہیں سمجھتا، یہ دیکھ اس پہ امریکن ٹیگ لگا ہوا ہے۔"
"صاحب! ایک ہی بات ہے، فرانس یا امریکہ۔ میں تو دونوں کو ایک ہی سمجھتا ہوں۔"
"ہا! جیسی تمھاری موٹی عقل ہے ویسے ہی تم سمجھتے ہو۔ چلو جاؤ کام کرو، میرا دماغ نہ چاٹو۔"
"جاتا ہوں چھوٹے صاحب! مگر یہ گلاس خوب ہے۔ ہر ہفتے مجھ سے ایک نہ ایک گلاس ٹوٹتا ہے، ڈانٹ سنتا ہوں، پر اب مجھے بڑا اطمینان رہے گا۔"
دن ڈھلا، شام ہوئی۔ شریف کا لنگوٹیا یار ہشام آیا تو اس نے اپنے دوست کو گلاس کی صفتِ خاص بتائی۔ ہشام نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے دو تین مرتبہ اسے توڑنے کی کوشش کی، مگر وہ ان بریکیبل تھا۔
ہشام بردباری سے بولا: "دوست! ایسی چیز بھی بے کار ہے، جس کی اپنی خاصیت باقی نہ رہے۔ بھئی شیشے کی خاصیت ہے کہ ذرا سی ٹھیس پہنچنے پر وہ ٹوٹ کر چکنا چور ہو جاتا ہے، لیکن یہ تو لوہا ہے۔ اب تم ہی کہو کہ لوہا اگر شیشے کی شکل اختیار کر لے تو کوئی اسے اچھا کہے گا؟"
شریف کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس نے اپنے مزاج کے مطابق انتہائی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "یار! تم ہمیشہ دور کی کوڑی لے کر آتے ہو۔ اسی لیے تم نے اس گلاس کی خوبی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اب یہ بھی تو دیکھو اس گلاس سے کتنا آرام ہے۔"
"لو، میں کب اس سے انکار کرتا ہوں؟" اب تم سے کون الجھے۔ یہ سوچتے ہوئے ہشام نے جان چھڑانے میں ہی عافیت جانی۔

بشارت نے اطمینان کا سانس لیا، پھر اس پر اپنی علمیت جھاڑتے ہوئے بولا: "اچھا چلو یہ بتاؤ کہ یہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟"
"یہ تو مجھے نہیں معلوم، لیکن لوہے کا برادہ اس میں ضرور ہو گا۔" ہشام کی کم عقلی پر شریف نے شگفتگی سے ایک ہلکا قہقہہ لگایا تھا۔
بس پھر کیا تھا اسی طرح دن رات کا ایک دل چسپ مشغلہ ہو گیا۔ گھر کی تمام خواتین نے اس پر مشق کی۔ بچوں نے اٹھا کر پٹخا، نوجوانوں نے قوت آزمائی کی، لیکن گلاس کو نہ ٹوٹنا تھا نہ ٹوٹا۔ اچھی خاصی شہرت پالی تھی اس نے، جس نے سنا وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ شریف کے تمام دوست احباب نے اس سے درجنوں گلاس منگوانے کی فرمائش کی۔ شریف ہر آئے گئے کے سامنے اس گلاس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا رہا۔
حاجی محمد یوسف صاحب چٹاگانگ میں رہائش پذیر تھے۔ یہ رشتے میں بشارت کے سگے ماموں تھے۔ ڈھاکہ اپنی بہن سے ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ سرخ و سپید چہرے پر سفید گھنی داڑھی۔ لباس انتہائی سادہ اور شرعی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ جوانی میں بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتے تھے۔ مغربی بود و باش کے شیدائی تھے۔ ذہنیت بھی آزادانہ تھی۔ مغربی تہذیب پر دل و جان سے فدا تھے۔ 1934ء میں زبردست زلزلہ آیا تھا، جس نے کافی تباہی و بربادی مچائی تھی، اسی زلزلے نے ان کی زندگی میں بھی انقلاب برپا کیا۔ یہ اس وقت جس جگہ تھے، وہاں انھوں نے اپنی آنکھوں سے زمین کو کانپتے، پھٹتے اور کنوئیں سے دو دو گز پانی اوپر نکلتے دیکھا تھا۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا تھا کہ قیامت آ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کو اپنے ماحول، اپنے معاشرے سے سخت الجھن ہونے لگی۔ قرآن پاک کا ترجمہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کیا۔ انھوں نے تنِ تنہا ماحول کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا، گو کہ ہر قدم پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، پھر بھی مایوس نہ ہوئے اور ایک وقت وہ آیا کہ ان کے کئی ساتھی ہو گئے۔
اہلِ خانہ نے بڑی گرم جوشی سے اپنے حاجی محمد یوسف صاحب کا استقبال کیا۔ بات چیت کے دوران بشارت بے چینی سے پہلو بدلتا رہا اور بالآخر حسبِ عادت اپنے ماموں سے بھی اس ناقابلِ شکست شہرت یافتہ گلاس کا تذکرہ کیے بنا نہ رہ سکا۔ ماموں صاحب کی توجہ پاتے ہی بشارت نے شرفو کو گلاس لانے کا اشارہ کیا۔ شرفو کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہی حسبِ معمول ایکشن دیکھاتے ہوئے بشارت نے گلاس فرش پر دے مارا۔
"چھناک"
بشارت کے منہ سے "ارے" نکلا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ شرفو گنگ کھڑا گلاس کی کرچیاں دیکھ رہا تھا۔ چھٹکی، بوا بڑے صاحب، بی بی سب کے چہرے پر حیرت عیاں تھی۔
جب بشارت کی نگاہیں اپنے ماموں حاجی محمد یوسف صاحب کی آنکھوں سے چار ہوئیں تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس کے ماموں زیرِ لب مسکرا رہے تھے۔
جبکہ تمام اہلِ خانہ گلاس کے کرچی کرچی ہوئے ٹکڑوں پر نظریں جمائے دم سادھے سکتے کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شرفو کی افسردہ آواز نے طویل خاموشی کے پردے چاک کر دیے۔
"چھوٹے میاں! یہ امریکن گلاس نہیں تھا۔ یہ ضرور چائنہ کا تھا۔"
"چپ ہو جا شرفو! ہر جگہ کیوں بولتا ہے۔ چائنیز تمہارا خاندان تھا۔ یہ گلاس امریکن تھا۔"
"چھوٹے میاں! امریکن ہوتا تو شاید نہیں ٹوٹتا۔"
تُنک مزاج بشارت ملازم کو بری طرح جھڑکنے ہی والا تھا کہ حاجی صاحب برملا بول اٹھے: "یہ امریکن، چائنہ پر بحث کیوں کر رہے ہو، یہ سب ایک زمرے میں آتے ہیں۔ اصل میں یہ گلاس مغربی تہذیب کا آئینہ تھا۔ تم اس کی ظاہری پائے داری پر ایمان لے آئے تھے، تمھیں یقینِ کامل تھا کہ یہ ناقابلِ شکست ہے، لیکن تعجب ہے کہ تم نے اسے اپنی آنکھوں سے پاش پاش ہوتے دیکھا، پھر بھی تمہاری عقیدت کو ٹھیس نہیں پہنچی؟"
اور گہری سوچ میں ڈوبا بشارت محسوس کر رہا تھا کہ حاجی محمد یوسف صاحب کے لفظ لفظ میں صداقت ہے۔

آداب بندگی

بنت مسعود احمد

وہ تھکا ماندہ ناکام و نامراد گھر لوٹا تھا۔ شیریں نے بڑی اُمید بھری نظروں سے اسے دیکھا، مگر اس کی جھکی نظریں اور چہرے پر چھائی پُرمژدگی اس کے مایوس لوٹنے کا پتا دے رہی تھی۔
"کیا ہوا بھائی ظفر آج بھی نہیں ملے؟"
"نہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"تو تم کہیں اور کام کیوں نہیں ڈھونڈ لیتے؟"
"مطلب میں کھیل تماشا کرنے جاتا ہوں؟" سارے دن کی تھکن غصے سے ظاہر ہو رہی تھی۔
"ظفر بھی جانے اچانک کہاں غائب ہو گیا۔۔۔ سمجھ نہیں آتی۔ ساری جمع جکڑی اسی کو دے کر میں مطمئن تھا کہ وہ مجھے دوسرے شہر سے مال لا دے گا تو اچھی بِکری ہو جایا کرے گی، بڑی مانگ ہے وہاں کے کڑھائی والے جوڑوں کی، ادھر مارکیٹ میں اور دام بھی اچھے لگ جاتے ہیں، مگر ہماری تو قسمت ہی خراب چل رہی ہے۔" وہ پچھلی تمام راحتیں بھول کر کے ناشکری پر اتر آیا۔

کچھ عرصے پہلے ہی سکندر اور شیریں رشتہ ازدواج میں بندھے تھے۔ شیریں ایک اچھی اور صابر و شاکر بیوی ثابت ہوئی تھی۔ سکندر ٹھیلے پر خشک میوہ جات بیچ کر روز کے اچھے پیسے لے آتا تھا، پھر شیریں کو گھرداری کا سلیقہ بھی تھا تو بچت بھی ہو جاتی تھی۔ گرمیوں میں وہ فروٹ کا ٹھیلا لگایا کرتا تھا۔ دن یونہی چین و سکون سے گزر رہے تھے کہ ایک دن پولیس والوں نے تجاوزات ہٹانے کی مہم شروع کر دی، جس دن پولیس کا چھاپا پڑا، ایک پولیس والے نے بڑی زور سے ڈنڈا اس کے بازو پر جڑ دیا، سکندر کو بھی تاؤ آ گیا اور وہ پولیس والے سے بِھڑ گیا، پھر تو سمجھو اس کی شامت ہی آ گئی۔ ٹھیلے پر موجود کئی ہزار کا سامان انھوں نے منٹوں میں الٹ کر رکھ دیا۔ بڑی بے دردی اور بے رحمی سے اسے پیٹ ڈالا۔ سکندر کے ساتھی یہ سب دم سادھے دیکھتے رہے، پولیس کے ڈنڈوں کے آگے وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

پولیس کے جاتے ہی اس کے تین ساتھی جن میں سے ایک چھولے والا امجد اور پلاسٹک کے برتن والا فیصل آگے بڑھا جبکہ پتھارے والا ساجد، سکندر کا بچا کچا سامان سمیٹنے لگا جو بری طرح رُل گیا تھا۔
"کیا ضرورت تھی ان سے پنگا لینے کی۔" زخمی سکندر کی حالت دیکھ کر فیصل چیخ ہی پڑا۔

سکندر کو جب مرہم پٹی کروا کر زخمی حالت میں گھر لایا گیا تو شیریں نے تو رو رو کر بُرا حال کر لیا۔ پڑوس والی صفورہ دوڑ کر پچھلی گلی سے سکندر کے بڑے بھائی بھابھی کو بلا لائی۔
سارا قصہ معلوم کیا گیا تو قصور وار سکندر کو ہی ٹھہرایا گیا۔ پولیس پر بھی بھلا کوئی ہاتھ اٹھاتا ہے اور جو اٹھاتا ہے، اس کا حشر پھر ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ بھائی اس کے ساتھیوں کا احسان مند تھا کہ وہ بِنا تاخیر اسے رکشے میں سرکاری ہسپتال لے گئے اور کئی گھنٹے کی خواری کے بعد اس کو دکھا کر اور دوا دلوا کر گھر بھی پہنچا گئے۔
شیریں کے لیے یہ سب غیر متوقع تھا، وہ سکندر کے لیے بہت پریشان تھی، زخمی وہ تھا پر تسلی دلاسے وہی اسے دے رہا تھا۔
ٹھیلے کا آدھے سے زیادہ مال خراب ہو چکا تھا اور جو باقی بچا تھا، وہ دو بڑے تھیلوں میں بھر کر اس کے دوست اس کے گھر رکھ گئے تھے۔ وہ اس وقت خود کو بہت بے بس اور لاچار محسوس کر رہا تھا، اس کے خود کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ آج کچھ ایسا ہو جائے گا۔

"اوئے بہادر شیر! پولیس والوں کے ساتھ بھڑ گیا، کچھ خوف کر کچھ عقل پکڑ۔۔۔" یہ ظفر تھا جو اس کی عیادت کے لیے آیا تھا۔
"بس یار ہو گئی غلطی۔۔۔"
"یہ بتا غلطی پر مار کتنی پڑی؟"
"یہ ہاتھ پر بندھا پلستر دیکھ، ہاتھ کی ہڈی پر بڑے زور کی چوٹ آئی ہے اور ماتھے پر دو ٹانکے۔"
"شکر کر اتنے میں ہی چھوٹ گیا، تھانے جانے کی نوبت نہیں آئی، اگر لے جاتے وہاں تو دن میں تارے دکھ جاتے۔"
"اب بس کر دل کیوں جلا رہا ہے۔ کل سے سوچ سوچ کر دماغ پھٹا جا رہا ہے، چوٹوں کی تو خیر ہے، آج نہیں تو کل ٹھیک ہو ہی جائیں گی، مگر میرے ٹھیلے کا سارا سامان برباد ہو گیا، پینتیس ہزار کا تھا، سب رُل گیا، اب صرف چند ہزار کا سامان باقی بچا ہے۔" وہ نہایت افسردہ تھا۔
"اب کیا سوچا ہے تو نے۔۔۔؟"
"فی الحال گھر ہی بیٹھا ہوں، جب اٹھنے کے قابل ہوا تو سوچوں گا۔"

ظفر نے اسے بتایا کہ ایک دو دن میں وہ اپنے لیے مال لینے دوسرے شہر جائے گا، اگر سکندر چاہے تو اس کے لیے بھی وہ مال خرید لائے کہ وہاں کے کڑھائی والے جوڑے اچھے پیسوں میں بِک جاتے ہیں۔
سکندر نے کچھ وقت سوچنے کے لیے مانگا تو اس پر ظفر بولا۔
پیسوں کی فکر نہ کر، میں اپنے پاس سے تجھے لا دوں گا، جب سہولت ہو پیسے لوٹا دینا، مگر سکندر اس بات پر راضی نہ ہوا۔ دوسرے دن اس نے اپنے بڑے بھائی دلاور سے مشورہ کر کے اپنی تمام جمع پونجی جو کہ ساٹھ ہزار پر مشتمل تھی، ظفر کے حوالے کر دی۔
دوسرے شہر سے مال لانے میں عموماً اس کو آٹھ سے دس دن لگتے تھے۔ سکندر نے سوچا کہ جب تک مال آئے گا، تب تک اس کی چوٹیں بھی ٹھیک ہو جائیں گی، اب اس کا دل ٹھیلا لے کر جانے کو آمادہ نہ تھا۔
بھائی نے اپنے سالے سے کہہ کر مین بازار میں اس کے لیے بیٹھنے کی جگہ دلوا دی تھی، اب وہ وہیں جا کر کپڑے بیچنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ظفر کا انتظار کرتے پندرہ دن ہو چلے تھے، مگر وہ اب تک نہ آیا تھا، کچھ دن اور گزرے تو سکندر نے اس کے گھر جا کر پتا کرنے

کا سوچا۔

وہاں جا کر دیکھا تو پریشان ہو گیا، گھر پر تالا پڑا تھا۔

اسی پریشانی میں وہ بھائی کے پاس چلا آیا، ان کو ساری صورتِ حال بتائی، وہ بھی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

ظفر سکندر کے بچپن کا دوست تھا، پہلے وہ ایک ہی محلے میں رہا کرتے تھے، وہ اس کو اچھی طرح جانتے تھے، کیا وجہ ہوئی کہ وہ اب تک سامان لے کر نہیں لوٹا تھا، ظفر کا نمبر بھی مستقل بند جا رہا تھا۔ بہر حال! بھائی نے اسے تسلی دی کہ کچھ دن اور انتظار کر کے دیکھ لو۔ پیسوں کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔

وہ جانتا تھا کہ بھائی کے حالات پہلے ہی مخدوش ہیں، چھوٹے چھوٹے پانچ بچوں کا ساتھ ہے، پھر مہنگائی کے جن نے سب ہی کو ہراساں کر رکھا ہے، وہ انھیں مطمئن کر کے خود گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر میں راشن ختم ہونے کو تھا اور آج تو اس کی جیب میں پچاس کا آخری نوٹ پڑا تھا۔

شیریں ہر دم اللہ کے آگے روتی اور گڑگڑاتی رہتی تھی کہ رب سوہنا ضرور کوئی راہ نکال دے گا۔ اسے اپنے رب پر بہت بھروسا تھا۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں الجھا گھر کی جانب چلتا چلا جا رہا تھا کہ اسے راستے میں ہمیشہ کی طرح مزار دکھائی دیا۔ آج جمعرات تھی تو خوب رش تھا۔

”سرخ گلاب کے پھول“ جگہ جگہ ٹھیلوں والے آوازیں لگا رہے تھے۔ لوگ جوق در جوق پھول خرید کر مزار پر چڑھا رہے تھے۔

وہ سب یہاں اپنی منّتیں مانگنے آئے ہوئے تھے۔ شہ رگ سے بھی قریب سے مانگتے ہوئے شرماتے تھے، جب کہ وہ بِن مانگے بھی دیتا ہے، مانگنے پر خوش اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے۔۔۔

اسی لمحے سکندر کے ذہن میں بھی ایک وسوسے نے سر اٹھایا تھا۔

”کیوں نہ میں بھی مزار پر پھول چڑھا کر اپنی مراد مانگ لوں؟ میں یہ جانتا ہوں کہ صاحبِ قبر سے مانگنا شرک ہے، مگر یہ اتنے اور لوگ بھی تو کچھ سوچ کر ہی مانگ رہے ہیں۔“

یہی سوچ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا، پچاس کا نوٹ اور چند سکے اس کے ہاتھ آ گئے۔ وہ قریبی پھول والے کے پاس چلا آیا۔

”ڈیڑھ سو روپے کلو۔“ اس نے دام پوچھا تو پھول والا فوراً بولا۔

یہاں تو پھولوں کی قیمت بڑھی ہوئی تھی۔ پچاس ساٹھ میں بھلا کتنے پھول آئیں گے۔

”ایک سو بیس روپے کلو۔“ وہ تھوڑا آگے بڑھا تو اسے ایک ٹھیلے والے کی آواز سنائی دی۔ اب بھی کلو پھول خریدنے میں اس کے پاس ساٹھ روپے کم تھے۔ لوگ تو تھیلے بھر بھر خرید رہے تھے اور اس کے پاس فقط ایک کلو کے پیسے بھی نہ تھے۔

”یا اللہ! کیا مجھے پچاس روپے میں ایک کلو پھول نہیں دلوا سکتا؟“ شدید مایوسی کے عالم میں اس کے دل سے ایک آہ سی نکلی تھی۔ رب سے دل ہی دل میں مناجات کرتا وہ ایک بوڑھے دکان دار کے پاس چلا آیا۔ کیسے دیتے ہو بابا؟ ”ایک سو بیس روپے کلو بیچے ہیں، پر اب یہی بچے ہیں تو سو لگاتا ہوں کتنے چاہییں؟“

بابا نے سارے پھول ترازو کے ایک طرف رکھ کر پوچھا۔

”میرے پاس صرف ۷۰ روپے ہیں۔“

بابا نے غور سے سکندر کا چہرہ دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے وزن کا بٹا دوسری جانب رکھ دیا۔

”پورے ڈیڑھ کلو ہیں، پر یہ سارے تمہارے ہوئے وہ بھی بِنا پیسوں کے۔۔۔“ بابا کی بات سن کر سکندر حیران ہو گیا۔ اس نے سوچا تک نہ تھا کہ اس کی دعا اتنی جلدی قبول ہو جائے گی۔ بابا نے پھول شاپر میں ڈال کر اس کی طرف بڑھائے، مگر سکندر اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا رہا۔

”لو یہ لو!“

”نہیں، نہیں مجھے نہیں لینے۔“ سکندر کی بائیں آنکھ کے کنارے ایک قطرہ سا آ ٹھہر تھا۔ اس نے ان کے ہاتھ میں پکڑے شاپر کو یوں دیکھا جیسے پھولوں کے بجائے اس میں کوئی نجاست بھری ہو۔ وہ نفی میں گردن ہلاتا بغیر تاخیر کے جانے کو مڑا۔ بوڑھے گل فروش نے خیریت سے اسے دیکھا۔ اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ سا ہوا۔

بس وہ ایک لمحہ تھا، جس میں اسے رب کی ذات سے ہی سب کچھ ہونے کا یقین ہو چکا تھا۔ دل پر چھائی وسوسوں کی دھند ایک جھٹکے سے چھٹ گئی تھی۔ وہ رب کا شکر گزار ہوا جا رہا تھا۔ اگر رب کا فضل اس کے شاملِ حال نہ ہوتا تو یقیناً وہ بڑی دور کی گم راہی میں بھٹک چکا ہوتا۔

”اُف میرے اللہ! مجھے معاف کر دے۔“ وہ دل ہی دل میں روتا کرلاتا گھر کی جانب چلتا چلا جا رہا تھا۔

بار بار آنکھوں میں آتے آنسو وہ اپنی آستین میں جذب کرتا جا رہا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے رب کے حضور جھکے ہوئے، وہ نماز میں اکثر غفلت برت جاتا تھا، مگر شیریں ہمیشہ نرمی سے نماز پڑھنے کا کہتی رہتی تھی، مگر وہ چند دن پڑھتا پھر چھوڑ دیتا۔۔۔

اب چوٹوں کے بہانے کئی دنوں سے نماز سے منہ موڑ رکھا تھا، حالاں کہ نماز تو وہ فرض عبادت ہے جو کسی حالت میں معاف نہیں ہے۔۔۔ ہمیں اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور رزق کا وعدہ کیا ہے۔۔۔ مگر ہم رزق کے پیچھے اپنی عبادت کو بڑی آسانی سے ضایع کر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا یقین کم زور ہے، ہم رزق کے معاملہ میں بے یقینی پر تلے رہتے ہیں۔

وہ ذات تو ایسی ہے جو سمندر کے گہرے اندھیروں میں بسنے والی آبی مخلوق کو نہیں بھولتی، جو زمین میں چرنے والے جانوروں کے ساتھ ساتھ ہوا میں اڑنے والے پرندوں کا بھی پیٹ بھرتی ہے۔۔۔ ایک روز، دو روز نہیں بلکہ ہر روز۔۔۔ جو ننھے کیڑوں سے لے کر دیو ہیکل مخلوق تک کو رزق دیتی ہی چلی جاتی ہے۔۔۔ ہر جانور اپنے رب سے رزق پاتا ہے اور اسی کے گُن گاتا ہے۔ اپنے رب کی پہچان رکھتا ہے۔۔۔

اور اشرف المخلوقات مقصدِ حیات کو بھول کر بس رزق کے پیچھے ہی کیوں پریشان ہوا جاتا ہے۔۔۔

”میرے اللہ! مجھے معاف کر دے۔ ضمیر سے اٹھتی آہ و بکا نے اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں لا پٹخا تھا۔

وہ گھر کے دروازے پر دستک دے کر جلدی جلدی چہرے پر آئے آنسو پونچھنے لگا۔

”السلام علیکم! مبارک ہو، بھائی ظفر آج سامان کے کاٹن چھوڑ گیا ہے۔“ سلام کے فوراً بعد شیریں نے خوش ہو کر اسے اطلاع دی۔

”الحمد للہ، میرے اللہ!“ اس کے لب ہولے سے لرزے تھے۔

”کھانا لاؤں؟“ ”شیریں نے کھوجتی نظروں سے اس کی آنکھوں کی لالی دیکھ کر پوچھا۔ وہ تو کئی دن سے ظفر کا اتنی بے چینی اور بے صبری سے انتظار کر رہا تھا، اب جب وہ اس کا سامان دے گیا تھا تو اسے یہ سن کر کوئی خاص خوشی کیوں نہ ہوتی؟

”نہیں ابھی نہیں۔۔۔“ وہ اتنا کہہ کر وضو کرنے کی غرض سے واش بیسن کی جانب بڑھ گیا۔

اس کے رب نے تو اپنا وعدہ ہمیشہ ہی پورا کیا تھا اور بے شک وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اب اس نے اپنے حصے کا فرض بھی ادا کرنا تھا کہ یہی تو آدابِ بندگی ہے۔

نوٹوں کا درخت

پہلی قسط

مہوش اسد شیخ

وہ کتنی ہی دیر باہر صحن میں جامن کے درخت تلے بچھی چارپائی پر چت لیٹا درخت کے پتوں پر نگاہیں جمائے بیمار ماں کے مسلسل کھانسنے کی آواز بے بسی سے سن رہا تھا۔ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ بے بسی کا احساس اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی ماں کے لیے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ پچھلے ہفتے حکیم صاحب سے جو دوا لا کر دی تھی، اس سے کافی افاقہ ہوا تھا، لیکن دوا ختم ہوتے ہی کھانسی کا دورہ پھر سے شدّت اختیار کر گیا تھا۔ حکیم صاحب سے کتنی مِنّتیں کی تھیں کہ دو دن کی دوا ادھار دے دے، مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

یتیم ہوتے ہی مقدر میں ذلّت لکھ دی جاتی ہے۔ اسے اپنی تذلیل کا دکھ نہ تھا، اسے تو ماں کی فکر تھی۔ اس جہاں میں اک وہی تو اس کی اپنی تھی۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹکنے لگا۔

اچانک پیٹ میں چوہوں کی بھاگ دوڑ میں تیزی آگئی۔ سسکی بھرتے ہوئے دائیں جانب کروٹ لے کر چارپائی کے کنارے سے پیٹ دبا دیا۔

”باپ کیوں مر جاتے ہیں؟“ ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آنکھ سے آنسو ٹپک کر کچی مٹی میں جذب ہو گیا۔

”باپ تو گھنا درخت ہوتے ہیں، جس کے سائے میں اولاد بے فکری کی زندگی گزارتی ہے۔ مجھے اتنی سی عمر میں زمانے کی کڑی دھوپ سہنے کو تنہا چھوڑ دیا۔“ اس نے دل ہی دل میں گلہ کیا۔

”تنہا ہوتا تو شاید جیسے تیسے جی لیتا، مگر بیمار ماں کا بوجھ بھی میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا، کیوں؟“

اُدھر ماں کے کھانسنے کی آواز میں شدّت آنے لگی اِدھر اس کے آنسوؤں میں روانی بڑھنے لگی۔ چند ہی پل میں کتنے ہی آنسو مٹی میں جذب ہو گئے۔ قریب گری درخت کی سوکھی شاخ سے وہ گیلی مٹی کو کھودنے لگا۔ بھوک ستا رہی تھی، ماں کی تکلیف تڑپا رہی تھی۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ رب سے گلے شکوے اور مناجات ہو رہی تھیں۔

پاؤں پر چبھن کے احساس سے سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دوسرے پاؤں سے خارش کرنے لگا۔ دن ڈھلنے کو تھا، مچھروں کی بھنبھناہٹ تنگ کرنے لگی تھی۔ پیشانی پر مچھر کی موجودگی کا احساس ہوا تو زوردار تھپڑ جڑ دیا، تکلیف کے احساس سے آنکھیں میچ لیں۔ اب کمر پر کھجلی ہونے لگی۔ کھجانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو جیب میں کسی شے کی موجودگی محسوس ہوئی۔ متجسّس ہو کر جیب میں ہاتھ ڈالا، بوسیدہ پچاس کا نوٹ نکلا۔ استہزائیہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گزری۔ کرم دین نے سارا دن اس سے اپنے کھیتوں میں کام کروایا اور شام کو پچاس کا نوٹ تھما کر چلتا کر دیا۔ وہ دل جمعی سے اس اُمید پر کام کرتا رہا کہ رات اتنے پیسے ضرور مل جائیں گے کہ وہ ماں کی دوا لا سکے۔۔۔ لیکن پچاس کا نوٹ دیکھ کر اس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا، اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ کرم دین نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کچھ اس ادا سے گھورا کہ وہ ڈر گیا اور بے دلی سے نوٹ جیب میں ٹھونس کر گھر کی راہ پر قدم رکھ دیے۔ گھر پہنچا تو ماں نے آواز دی۔

”پروین کچن میں دودھ رکھ گئی ہے، خود بھی پی لے اور مجھے بھی دے دے۔“

”جی اچھا۔“ وہ سعادت مندی سے سر ہلا کر کچے صحن میں ایک طرف چھوٹی سی مٹی کی دیوار کھڑی کر کے بنائے گئے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ صرف ایک گلاس دودھ پڑا تھا۔ پروین ان کی ہمسائی شاید اپنی بھینس اور بچوں کا صدقہ دے جاتی تھی، کبھی ایک گلاس کبھی دو۔

صبح کی روٹی پڑی تھی، وہ دودھ میں بھگو کر اماں کو کھلا دی۔ پیٹ بھرا تو چہرے پر کچھ رونق آئی، کچھ ہی دیر میں وہ سو گئی۔

وہ بھوکا ہی باہر آ کر درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر لیٹ گیا۔ تب سے وہ یہیں لیٹا سوچوں سے لڑ رہا تھا۔ اب پچاس کا نوٹ دیکھ کر جی چاہا کہ پھاڑ کر پھینک دے، مگر اگلے ہی لمحے جانے کیا سوجھی کہ سوکھی شاخ سے کھودے گڑھے میں نوٹ دبا کر اوپر مٹی ڈال دی۔ گویا نوٹ کی قبر بنا ڈالی ہو۔

”گڈو۔۔۔ گڈو! میرے بچے اندر آجا، باہر مچھر تنگ کرتے ہوں گے۔ رات کو ویسے بھی کھلے آسمان تلے نہیں ٹھہرنا چاہیے۔“ ماں کی آواز پر وہ بیزار سا اٹھا، کپڑے جھاڑے اور کمرے کا رخ کیا۔

”تجھے ترس کیوں نہیں آتا؟“

کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے منہ اٹھا کر آسمان والے سے ایک بار پھر گلہ کیا۔ بستر پر ڈھے گیا۔ بھوک سونے نہیں دے رہی تھی۔ تکیہ سر کے بجائے پیٹ کے نیچے رکھا تو نیند کی دیوی مہربان ہوئی۔

”گڈو۔۔۔ گڈو! میرے بچے اٹھ جا، فجر کا وقت نکلا جا رہا ہے، خود بھی وضو کر لے اور مجھے بھی کروا دے۔“

نقاہت کے مارے اماں چل کر نل تک نہیں جا سکتی تھی۔

وہ آنکھیں مسلتا خاموشی سے اٹھا، پانی کا ڈبہ لا کر اماں کو وضو کروا کر خود مسجد کی طرف چل دیا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر صرف اک جملہ لبوں سے ادا ہوا۔

”یا اللہ! اماں کی دوا کے پیسے دلا دے اور مجھے اچھا سا ناشتہ کروا دے۔“

دعا مانگ کر وہ مسجد سے باہر نکل آیا۔ گزشتہ روز چائے رس کا ناشتہ کیا ہوا تھا، اب تو آنکھوں تلے اندھیرا چھاتا محسوس ہو رہا تھا۔

ڈگمگاتے قدموں سے گھر میں داخل ہوا۔ روشنی دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی اور اندھیرا اپنے پَر سمیٹ رہا تھا۔ اپنے آنگن کے واحد جامن کے درخت تلے کوئی نیا پودا دکھائی دیا۔ رات کو تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے ذہن پر زور دیتا قریب چلا گیا۔

”ارے یہ کیا۔۔۔؟“

اس کی آنکھیں مارے حیرت کے مکمل طور پر وا ہو چکی تھیں۔ اس کے سامنے تین فٹ کا درخت کھڑا تھا، جس پر پچاس کے نوٹ لگے ہوئے تھے۔ اسے یاد آیا اسی جگہ اس نے رات پچاس کا نوٹ دبایا تھا۔ اس سے پچاس کے نوٹ کا درخت اُگ آیا تھا۔

”کیا یہ میرا خواب ہے؟“

اس نے کئی بار آنکھیں رگڑیں، مگر سامنے کا منظر ہنوز وہی تھا۔

یہ تو معجزہ ہو گیا۔ اس نے تیزی سے پچاس کے نوٹ اتارنے شروع کر دیے۔ سارے نوٹ اتار کر جیب میں ٹھونس لیے، گننے کی زحمت نہیں کی۔

”واہ میرے مولا! تیرے کیا کہنے، اِدھر دعا مانگی اُدھر تو نے سن بھی لی۔“ وہ خوشی خوشی گھر سے نکل پڑا۔

”سب سے پہلے اماں کی دوا لوں گا، پھر آتے ہوئے تنور سے آلو والے نان۔“ اس نے لذّت محسوس کرتے ہوئے زبان لبوں پر پھیری۔

”حکیم صاحب! ایک ماہ کی دوا دے دیجیے، اماں کی کھانسی پھر شدّت اختیار کر گئی ہے۔“

حکیم صاحب ابھی دکان کھول ہی رہے تھے۔

”ادھار نہیں دیتا میں کسی کو۔“ مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

”ادھار نہیں لینے آیا۔ پیسے ساتھ لایا ہوں۔“ اس نے جیب سے چند نوٹ نکال کر دکھائے۔

”اتنے پیسے کہاں سے آئے۔“

حکیم صاحب دکان میں داخل ہو کر مطلوبہ دوا نکالنے لگ گئے۔ گڈو نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی۔ تھوڑی دیر میں دوا تیار ہو گئی۔ ادائیگی کے بعد دوا لے کر تنور کی طرف چل دیا۔

”دو آلو والے نان دے دو چاچا جی!“ گڈو نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

”اماں کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ چاچے رفیق نے تیزی سے نان بیلتے ہوئے پوچھا۔

”دوا لینے آیا تھا، پورے مہینے کی دوا لی ہے، اُمید ہے جلد بہتر ہو جائے گی اماں!“ اس کی آنکھوں میں اُمید کا دِیا جل رہا تھا۔

”لگتا ہے پکی نوکری لگ گئی ہے تیری۔“ چاچے نے کچھ مشکوک انداز میں پوچھا۔

”یہی سمجھ لو۔“ وہ مبہم سا مسکرا دیا۔

نان کی خوش بو اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔ وہ نان لیے تیز رفتاری سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ گھر پہنچ کر اماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا چاہتا تھا۔

(جاری ہے)

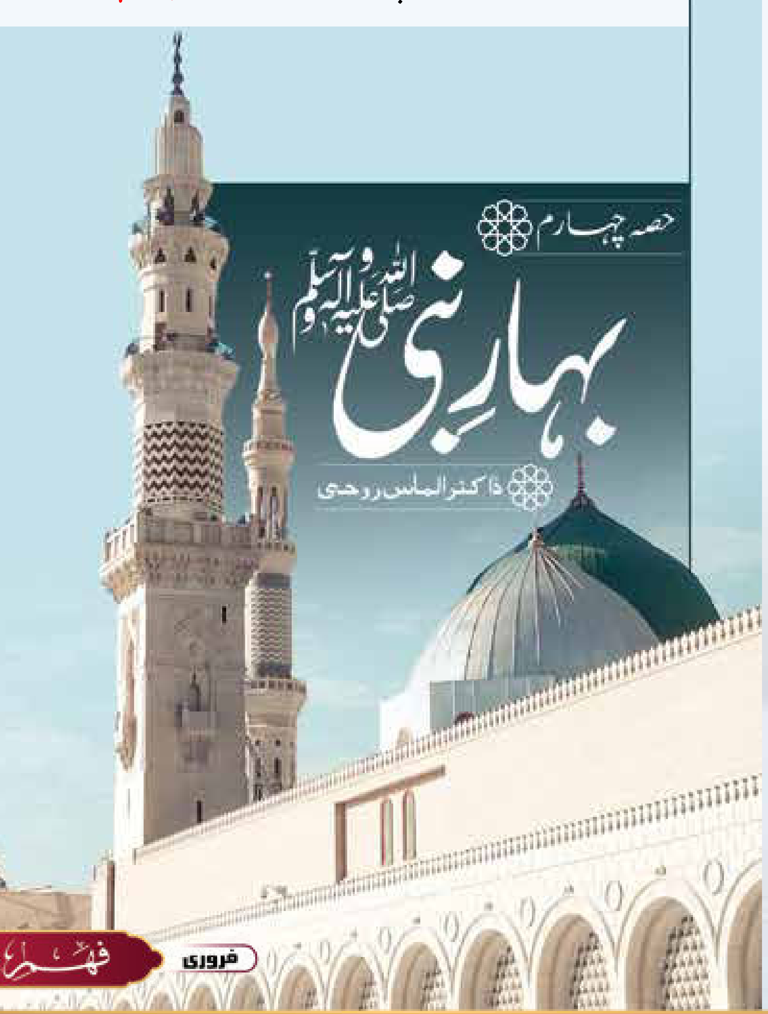

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ پاپوش مبارک خود سی لیتے۔ ان میں پیوند لگا لیتے۔ گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنی آستین یا چادر سے گھوڑے کا منہ صاف فرماتے اور انھیں پیار کرتے اور وہ خوشی خوشی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے۔

کھانا کھاتے ہوئے اپنے رب کا شکر ادا کرتے۔ کھانے میں تکلّف نہ فرماتے۔ روٹی اور سرکہ آپ ﷺ شوق سے کھاتے۔ آپ مرغ، بکرے کا گوشت اور سبزی میں کدو شوق سے کھانا پسند کرتے۔ شیرینی و شہد بہت آپ ﷺ کو مرغوب تھا۔ آپ ﷺ پانی بیٹھ کر پیتے اور تین بار ظرفِ آب کو منہ سے جلا کرتے اور تین سانس لیتے پھر پیتے۔

آپ ﷺ کو جانوروں سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ نے ان پر رحم و کرم کی تعلیم دی ہے۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ نے آپ ﷺ سے اپنے مالک کے ظالمانہ رویّے کی شکایت کی تھی جو اُسے کھانے کے لیے نہیں دیتا۔ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: جانوروں پر رحم کرو، تاکہ وہ تمھیں دعائیں دیں اور اپنی اس سواری (اونٹ) کا بہت خیال رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو جو سب کو دیکھ رہا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے پاس دس گھوڑے تھے۔ آپ نے گھوڑ دوڑ میں حصہ بھی لیا، آگے بھی نکلے اور بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ کے پاس بیس اونٹنیاں بھی تھیں۔ ایک اونٹنی جس کا نام قصوٰی تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر سفرِ ہجرت کیا تین خچر بھی تھے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے پاس سو بکریاں تھیں۔ ایک بکری آپ ﷺ کے دودھ پینے کے لیے مخصوص تھی۔ ایک سفید مرغ تھا، جو صبح سویرے اذان دیتا تھا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ اپنے ان تمام جانوروں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ پیار محبت سے پیش آتے۔ جانوروں کے رکھ رکھاؤ دیکھ کر خوش ہوتے۔

ایک مرتبہ ہمارے پیارے نبی ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا۔ شریر و سرکش جس آدمی کو دیکھتا اس پر حملہ کر دیتا تھا۔ لوگ اس سے ڈر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا وہ آیا اور اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی ناک میں مہار ڈال دی۔ لوگ حیران دیکھتے رہ گئے۔

حضرت جابرؓ کا اونٹ ماندہ و سُست رفتار تھا۔ وہ سب سے پیچھے رہتا اور مار مار کر چلایا جاتا تھا۔ حضرت جابرؓ اس کا خیال رکھتے اور اُسے وقت پر کھانا دیتے، مگر اس کی رفتار پھر بھی تیز نہیں ہوئی۔ حضرت جابرؓ پریشان تھے، دیکھنے میں وہ اونٹ صحت مند تھا، پھر بھی کاہل اور سُست تھا۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے دعا فرمائی:

اے میرے رب! جابرؓ کے اونٹ کو تو رفتار عطا کر۔“ آپ ﷺ کی دعا کے بعد وہ اونٹ اتنا تیز رفتار ہوا کہ ہمیشہ سب کے آگے رہتا اور روکے بدقت رکتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک پریشان ہرنی نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کی خدمت میں درخواست کی۔ مجھ کو شکاری کی قید سے رہائی چاہیے، میں وعدہ کرتی ہوں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے بعد واپس آجاؤں گی۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اسے رہائی دلوا دی اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور حسبِ وعدہ واپس آگئی۔

مشکل الفاظ

پاپوش	کپڑے
ظرفِ آب	پانی کا برتن
مرغوب	پسند
شریر و سرکش	باغی

مشکل الفاظ

خچر	گدھا
ماندہ	کاہل
بدقت	مشکل

انوکھی ورکشاپ

اہلیہ محمد فیصل

اکمل صاحب علی کی اس حرکت کو دیکھ کر تأسف سے سرہلاتے آگے بڑھ گئے۔
”کون سمجھائے اس لڑکے کو؟“

خان بابا! مجھے پاؤں میں بہت درد ہے، اس لیے میں آپ کے لیے پانی نہیں لاسکتا۔ احمر نے خان بابا سے بہانہ گھڑا جو کام یاب رہا۔
اکمل صاحب ایک بار پھر اداس ہوئے۔
وہ اپنے محلے کے بچوں کی ان عادتوں کو دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے اور اکثر سوچتے کہ کوئی ایسا طریقہ ہو، جس سے ان بچوں کی اصلاح ہو سکے، لیکن کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔
انھیں پہلے علی کو مسجد کے باہر مکئی والے کی ریڑھی پر سے بھنی مکئی کی مٹھی بھرتے دیکھ کر پریشانی ہوئی۔ اب احمر کو جھوٹ بولتے سن کر افسوس کر رہے تھے۔ اسی طرح اکثر محلے کے بچوں کو دیکھتے، کوئی پھل والے کی ریڑھی کے پاس سے گزرتے ہوئے، انگور کی مٹھی بھرتا تو کوئی سیب یا کیلا اٹھاتا ہوا بھاگتا۔
اکمل صاحب کے لیے یہ سارے کام بہت تکلیف دہ ہوتے، وہ غریبوں کو نقصان اور ان معصوموں کو حرام سے بچانا چاہتے تھے، مگر کس طرح؟

اسکول کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔ بچے اکثر گلی محلوں میں گھومتے اور کھیلتے رہتے تھے۔ والدین ان چیزوں کی طرف توجہ نہ دیتے تھے۔ اسی بات کا افسوس اکمل صاحب اکثر اپنے دوستوں میں کرتے رہتے تھے، مگر آج کے بچے بزرگوں کی باتوں کو کہاں خاطر میں لاتے تھے۔ اکمل صاحب ان بچوں کے لیے دعا کا بھی اہتمام کرتے، ان کے دل میں اصلاحِ امت کا درد تھا۔

ایک دن محلے کی مسجد میں کچھ نوجوان آئے، جو مختلف علاقوں میں قریب البلوغ بچوں کے لیے ورک شاپ منعقد کرتے، جن میں ان کو اچھی باتوں کی تربیت اور اور مختلف عادتوں پر عمل کا بتا کر اصلاح کی جاتی تھی۔ وہ اس سلسلے میں محلے کی مساجد کے ائمہ حضرات اور دیگر بزرگانِ محلّہ کا تعاون حاصل کر کے یہ پروگرام تشکیل دیتے تھے۔
اکمل صاحب نے جب اس پروگرام کا لائحہ عمل سنا تو ان کی تو گویا دلی مراد بر آئی۔ انھوں نے فوراً سے پیشتر ان نوجوانوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔ نوجوانوں نے ان کی تمام باتوں کو غور سے سنا بلکہ انھیں اپنے پاس لکھ کر محفوظ کر لیا اور پھر ان کو یقین دہانی کروائی کہ وہ ضرور اپنی ورک شاپ میں ان باتوں کو عملی طور پر کر کے بچوں کو دکھائیں گے اور ان کے نقصانات سے بھی آگاہ کریں گے۔

بچوں کے لیے ایک انوکھی ورکشاپ۔۔۔
”ہفتے کی شام چار بجے سے لے کر چھ بجے تک صائمہ گارڈن میں منعقد کی جا رہی ہے۔ محلے کے تمام بچوں کو دعوت عام ہے، مختلف انعامات اور ریفریشمنٹ کا بھی انتظام ہے۔“
جگہ جگہ اس اعلان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ تمام بچوں کا جوش دیدنی تھا، سارے بچے ہفتے کی شام کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

اسٹیج کا پردہ کھلتا ہے۔۔۔ ایک چھوٹا بچہ مکئی والے کی ریڑھی کے پاس آ کر بھنی ہوئی مکئی کی مٹھی بھرتا ہے، ابھی وہ اسے منہ تک لے جانا چاہتا ہے کہ پیچھے سے اس کے والد آ کر اس کی کلائی پکڑ لیتے ہیں اور افسوس سے کہتے ہیں کہ۔۔۔
”بیٹا! میں نے تو کبھی تمہیں حرام نہیں کھلایا، پھر تم کیوں حرام کھا رہے ہو؟“
”ابو جی! میں تو مکئی کھا رہا ہوں، اس میں حرام کی کیا بات ہے؟“
”بیٹا! کیا آپ نے اس مکئی کے پیسے ادا کیے یا آپ کو اس مکئی والے نے تحفتاً یہ مکئی دی؟“
”ن نہیں تو۔۔۔“ بچہ سوچ میں پڑ جاتا ہے۔
”بیٹا کوئی بھی چیز بغیر اجازت اٹھائی جائے، چاہے سامنے والا آپ کو کچھ بھی نہ کہے، لیکن وہ دل میں آپ سے خفا ہو گا، کیوں کہ یہ اس کی روزی ہے اور وہ یہ بیچنے کے لیے یہاں کھڑا ہے۔ وہ چیز آپ کے لیے وبال ہے، یعنی حرام ہے۔“
”ابو جی اس طرح تو میرے کئی دوست کرتے ہیں۔ کوئی کیلے والے کا کیلا اٹھا لیتا ہے، کوئی انگور کی مٹھی بھرتا ہے۔“
”بیٹا! یہ سب کچھ غلط عمل ہیں۔ اس طرح وہ سب اپنے پیٹ میں حرام مال ڈال رہے ہیں اور قرآن و حدیث میں ایسے مال کو ”پیٹ کا ایندھن“ (یعنی آگ) کہا گیا ہے۔
اور ہاں بیٹا! غلطی ہم والدین کی بھی ہے جو ننھے ذہنوں کی درست رہنمائی نہیں کرتے اور اس طرح یہ برائیاں بچوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، اسی لیے یہ برائیاں اکثر بڑوں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔“
”شکریہ ابو! مجھے آپ نے بہت ہی اہم بات بتائی، میں یہ اپنے سب دوستوں کو بتاؤں گا، تاکہ سب اس حرام مال سے بچ سکیں اور مکئی والے انکل مجھے معاف کر دیں، مجھے اس طرح بلا اجازت آپ کی چیز نہیں اٹھانی چاہیے۔“
”شاباش بیٹا!“ دونوں باپ بیٹا گلے لگ گئے۔

محلے کے اکثر بچے اس ٹیبلو کو دیکھ کر شرمندہ نظر آ رہے تھے۔
امید ہے بچوں آپ ایسا نہیں کرتے ہوں گے۔
ورک شاپ ٹیم کے میزبان نے ٹیبلو کے بعد سب بچوں کو مخاطب کر کے کہا۔
”جی“ کی آواز بہت دھیمی تھی۔
میزبان معاملہ بھانپ گیا کہ ضرب لگ چکی ہے۔
پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کی معافی رکھی ہے، بس ضرورت سچے دل سے توبہ کی ہے تو پھر ابھی عزم کیجیے کہ اگر آپ سے ایسا کچھ ہوتا رہا ہے تو آیندہ نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ!!
اب آواز تیز تھی۔
اور اس آواز میں اکمل صاحب کی بھی آواز شامل تھی، کیوں کہ انھوں نے بھی اپنی اس برائی پر بڑی مشکل سے قابو پایا تھا اور پھر یہ فکر سب بچوں کے لیے ان کے دل میں آئی تھی۔

سپر ہیروز

بہادر گھڑسوار

بنتِ تاجور

آج ہم جن صحابیٔ رسول ﷺ کی بہادری اور شجاعت کے قصے سنانے جا رہے ہیں، وہ خیبر کے ایک بڑے قبیلے بنو اسد کے نہایت دولت مند آدمی تھے۔
عرب میں سب سے قیمتی دولت اونٹ کے گلے سمجھے جاتے تھے اور ان کے پاس تقریباً ایک ہزار اونٹ تھے۔ آپ خوب صورت، بہادر کڑیل جوان، تلوار چلانے میں ماہر، نیزہ بازی، تیر اندازی اور گھڑ سواری میں بہت مہارت رکھتے تھے۔
ان کا نام ضرار بن الازور الاسدی تھا۔ نام کا درست لفظ ”ضِرار“ ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کئی صحابہ ”ضِرار“ نامی گزرے ہیں، ضرار بن ازور، ضرار بن الخطاب، ضرار بن قعقاع اور ضرار بن مقرن۔
ہم تذکرہ کرتے ہیں حضرت ضرار بن الازور الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جن کی کنیت ابو الازور ہے، بعض نے ابو البلال لکھی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔
جب وہ بنو اسد قبیلے کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے پہلی قربانی یہ دی کہ اپنے ایک ہزار اونٹ ان کے چرواہوں سمیت مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کروانے کی غرض سے پیارے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے جذب و ولولے سے سرشار ہو کر اپنا تمام مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ درِ نبوی ﷺ پر پہنچے تھے۔
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شہسوار اور شاعر بھی تھے۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد کچھ عرصہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں دین سیکھنے کی غرض سے رکے رہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انھیں دین کی تبلیغ کے لیے بنی صید اور بنی ہذیل کی طرف بھیجا۔
نبوت کا دعوی کرنے والے طلیحہ بن خویلد الاسدی کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ جھوٹا مدّعیٔ نبوت طلیحہ بن خویلد الاسدی اور اس کے بزدل ساتھی حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر مجاہدین کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور جانی نقصان کروا کے بھاگ گئے۔
حضرت ضرار بن الازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں فتنۂ ارتداد (پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آخری ایّام میں نجد میں مسیلمہ کذّاب اور یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کر دیا تھا۔ اس کے بعد اور کئی لوگوں نے نبوت کا دعوی کیا اور ان کے بہت سے پیروکار بھی اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت مسلمانوں نے ان تمام مرتدین سے جنگ کی اور ایک سال کی جنگ کے بعد ان سب پر قابو پایا۔ ان جنگوں کو فتنۂ ارتداد کی جنگیں کہا جاتا ہے) میں بڑی سرگرمی میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے سچے ولی اور پیارے نبی ﷺ کے سچے عاشق نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا دشمن زکوۃ دینے سے انکار کرنے والا بنی تمیم کا مشہور مرتد سرغنہ مالک بن نویرہ ان ہی کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔
حضرت ضِرار نہایت بہادر اور جنگجو سپاہی تھے۔ جہاد سے انھیں عشق تھا۔ ان کا نام ہی دشمنوں کو ڈرانے کے لیے کافی تھا۔ بچو آپ نے فلموں میں دیکھا ہو گا کہ یہ دنیاوی نقلی ہیرو لڑائی کے دوران اپنی قمیض اتار کر لڑتے ہیں، ہمارے اصلی سُپر ہیرو حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذرا دیکھیے یہ میدانِ جنگ میں دشمنوں پر خوف طاری کرنے کے لیے ننگی پیٹھ اُترا کرتے تھے، زرہ تو دور قمیض بھی اتار کر لڑا کرتے تھے۔ ہمارے پاکیزہ ہیرو!! ان کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں دشمنوں پر اس طرح حملہ آور ہوتے کہ جس طرف رُخ کرتے دشمن گھبرا کر کہتے: جن آگیا، جن آگیا۔
معرکۂ اجنادین جسے جہادِ یمامہ یا جنگ یمامہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں دشمنوں کے ساتھ ایسی بے جگری اور جذبۂ ایمانی سے لڑے کہ دشمن سب کچھ بھول کر صرف ان کے پیچھے لگ گئے۔ لڑتے لڑتے حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں پنڈلیاں کاٹ دی گئیں تو وہ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے اور پھر ان سب دشمنوں نے ایک ساتھ مل کر اس مجاہد پر دھاوا بول دیا، اس حال میں شیرِ خدا قابو نہ پا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان پیش کرنے کے شوقین گھوڑوں کے پیروں تلے روندے گئے، مگر میدانِ جہاد سے نہ نکلے۔
حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ یمامہ میں شدید سخت زخمی ہوئے تھے، مگر شہادت کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض یمامہ میں بتاتے ہیں، بعض اجنادین میں اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیّدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک زندہ تھے اور شام کی فتوحات میں شرکت کی، لیکن موسیٰ بن عقبہ کی روایت کی رو سے معرکۂ اجنادین میں شہادت پائی، یہ روایت زیادہ مستند ہے۔ یمامہ کی لڑائی ختم ہونے پر ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچائے گئے، ادھر جب سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ جہاد سے رخصت ہونے والے تھے تو حضرت ضرار بن الازور انتقال فرما چکے تھے۔
بعض روایات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہِ وفات طاعون لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔
انھیں وادیٔ اُردن میں ہی ضرار نامی بستی میں دفن کر دیا گیا۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سنہری ملکہ

تنزیلہ احمد

سردیوں کی آمد آمد تھی۔ تاہم وار پتھریلی زمین پر منظّم طور پر ہزاروں کی تعداد میں چیونٹیاں قطار در قطار چل رہی تھیں۔ چیونٹیاں، جن کا شمار دنیا کے محنتی ترین جانداروں میں ہوتا۔ انتہائی محنت سے کام میں جتی چیونٹیاں اپنے جسامت سے کئی گنا زیادہ بوجھ اٹھائے اناج گھروندوں میں پہنچانے کی ذمہ داری بخوبی نبھا رہی تھیں۔ خنکی بڑھنے سے پہلے انھیں نہ صرف ضرورت سے کہیں زیادہ رزق اکٹھا بلکہ محفوظ بھی کرنا تھا۔ اناج کے ٹکڑے اٹھائے کارکن چیونٹیوں کا گروہ قطار کی صورت میں اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ تب ہی کچھ مزید چیونٹیاں مخالف سمت سے گروہ میں آشامل ہوئیں۔ وہ اپنے دشمن گروہ کے چھینا جھپٹی کرنے والے بِن بلائے مہمانوں سے لڑ کر اور شکست دے کر آئی تھیں۔ انھوں نے گروہ میں موجود چیونٹیوں کے پاس آکر اپنے سر پر لگے دو انٹینا ایک دوسرے سے مَس کرنے شروع کیے۔ یوں انھوں نے دشمن کی معلومات اور اس کی بو کو پورے گروہ میں منتقل کر دیا۔ اجتماعی طور پر اپنے دشمنوں کو یاد رکھنے، شناخت کرنے اور ان سے بچاؤ کرنے کا یہ منفرد عمل ان کی فطرت میں شامل تھا۔

ایک اونچے پتھر پر چوکنّا کھڑی تمام امور کا جائزہ لیتی ملکہ چیونٹی، مزدور چیونٹیوں کی محنت سے مطمئن نظر آرہی تھی۔ اوائلِ عمری میں ملکہ چیونٹی کے چھوٹے سے پَر تھے مگر عمر، جسامت بڑھنے اور انڈے دینے سے پر جھڑ گئے۔ وہ دوسری چیونٹیوں کی نسبت حجم میں بڑی تھی۔ سنہری مائل بھورا رنگ جو سورج کی روشنی میں پیلے رنگ کی جیلی کی طرح چمکتا۔ گزشتہ دس برس سے وہ اپنی کالونی کی ملکہ چیونٹی تھی۔ شان و شوکت والی سنہری ملکہ چیونٹی۔۔۔اس کے خاندان میں ہر نسل، رنگ و روپ کی چیونٹیاں پائی جاتیں اور وہ سب کی سب اس کے حکم کی پابند تھیں۔

کچھ دیکھ نہیں سکتی تھیں، مگر سونگھنے کی حِس انتہائی تیز تھی تو کچھ کی آنکھیں دو سو آنکھوں جتنی بینائی رکھتی تھیں۔ کالونی میں دوسرے خاندان کی کئی ہزار چیونٹیاں کچھ عرصہ قبل شامل ہوئی تھیں۔ کسی خاندان کی ملکہ چیونٹی مر جاتی تو اس خاندان کی رہائشی چیونٹیاں اپنی کالونی کو الوداع کہہ کر دوسری کالونی میں جا بستیں، مگر کسی اور کو اپنی کالونی کی ملکہ کا درجہ نہ دیتیں۔ سنہری ملکہ چیونٹی نے بے گھر ہوئی مہاجر چیونٹیوں کو اپنی کالونی کا حصہ بنا کر خود کو ملکہ سمجھنے کا شرف انھیں فراخ دلی سے بخشا تھا۔

❖

چیونٹیوں کی بارہ سو کے لگ بھگ پائی جانے والی انواع میں سے زیادہ تر مادہ چیونٹیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ملکہ چیونٹی سب سے لمبی عمر پا کر تیس برس تک زندہ رہتی۔ مزدور مادہ چیونٹیاں ایک سے پانچ برس تک جیتیں جب کہ نَر چیونٹیوں کی عمر کچھ ہفتوں تک ہی محیط ہوتی۔ کالونی پر ملکہ چیونٹی کا حکم چلتا۔ دوسری بستیوں کی طرح سنہری ملکہ چیونٹی کی کالونی میں بھی نر و مادہ چیونٹیاں موجود تھیں۔ ملکہ چیونٹی کا کام انڈے دینا اور افزائشِ نسل جیسا اہم فریضہ سر انجام دینا تھا۔ کالونی میں زیادہ تر اس کے اپنے بچے تھے۔ ملکہ نے بستی کی پانچ لاکھ سے زائد چیونٹیوں کی درجہ بندی کر کے ان میں کام بانٹ رکھے تھے۔

معمار چیونٹیاں علاقے اور ماحول کے مطابق درختوں، زیرِ زمین بِلوں یا زمین کے اوپر ٹیلوں کی شکل میں گھر بناتیں۔ کھدائی کے لیے مزدور چیونٹیاں اپنے چھ پاؤں کا استعمال کر کے زمین میں پہلے سُرنگیں بناتیں، پھر سُرنگ کے دائیں بائیں کمرے تعمیر کرتیں، تاکہ بارش کا پانی بستی میں داخل نہ ہو سکے۔ ٹیڑھے میڑھے بِلوں میں وہ کئی کمرے بناتیں، جیسا کہ ملکہ چیونٹی کا خصوصی کمرا، کارکن چیونٹیوں کے آرام کرنے کے کمرے، اناج محفوظ کرنے کے کمرے، انڈے سنبھالنے کے کمرے، باہمی مشاورت کے ہال وغیرہ شامل ہوتے۔ گھروندوں کی مرمت کا کام بھی انھی چیونٹیوں کے ذمے تھا۔ مزدور چیونٹیاں رزق کی تلاش کرتیں اور اکٹھا کر کے بِلوں تک پہنچاتیں۔ اناج خراب ہونے سے بچانے کی ذمہ داری بھی ان پر تھی۔ خراب ہوتے اناج کو بِل سے باہر پھینک دیتیں، تاکہ وہ جمع شدہ اناج کو خراب نہ کرے۔ سپاہی چیونٹیاں کالونی کی حفاظت پر مامور تھیں۔ ان کا کام دشمنوں سے بچانا، ملکہ، بچوں اور بستی کا خیال رکھنا تھا۔

سب چیونٹیاں مل جل کر نظم و ضبط سے کام کرتی اور ایک دوسرے کی ہر ممکن حد تک مدد کرتی تھیں۔ ملکہ چیونٹی کے انڈوں کو گھروندوں میں بنے مخصوص خانوں میں رکھا جاتا۔ کارکن چیونٹیاں دن میں انڈوں کو اٹھا کر بِل سے باہر لاتیں، تاکہ سورج کی مناسب حرارت اور روشنی انڈوں کو مل سکے۔ رات ڈھلنے پر اور موسمی تغیّر کی صورت میں انڈوں کو گھروندے میں واپس منتقل کر دیا جاتا۔ انڈے سے لاروا بننے کی صورت میں اسے دوسرے کمرے میں منتقل کیا جاتا۔ لاروا سے پیوپا بننے کا عمل مختلف کمرے میں انجام پاتا اور بالآخر نئی چیونٹیاں نکل آتیں۔ اس سارے عمل میں کارکن چیونٹیاں ہر پل مصروفِ عمل رہتیں۔

سنہری ملکہ چیونٹی نے اپنے مخصوص کمرے میں انڈے دے رکھے تھے، جب کہ کارکن چیونٹیاں اکٹھا کیا اناج آج بھی گھروندوں میں منتقل کر رہی تھیں، تب ہی کارکن چیونٹیوں کو کچھ خوف محسوس ہوا۔ زمین کا ارتعاش اور ہوا کی لہروں میں بسی جانی پہچانی بو تھی۔ دشمن کی موجودگی کا خطرہ بھانپ کر انھوں نے تھپتھپاہٹ پیدا کرنے کے لیے زمین پر اپنے پاؤں سے دستک دینا شروع کی۔ دستک سے آواز پیدا کرنے کا طریقہ درختوں کے تنوں میں بنی بستیوں میں چیونٹیوں کو خبردار کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا۔ گھروندے کی مرمت کرتی بڑھئی چیونٹوں نے پیغام ملتے ہی ڈھول پیٹنا شروع کر دیا، تاکہ باقی چیونٹیاں بھی ہوشیار ہو جائیں۔ لکڑی کی دیواروں سے سر اور پیٹ ٹکرا کر وہ پیغام رسانی کا کام کرنے لگیں۔ آن کی آن میں بھگدڑ مچ گئی۔

❖

لمبی تھتھنی والا پینگولین چیونٹیوں کے گھروندوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عام زبان میں اس جانور کو چیونٹی کھانے والا اور مور خور کہا جاتا۔ وہ ایک دن میں پینتیس ہزار کے قریب چیونٹیاں ہڑپ کر جاتا۔ مور خور اپنی چپچپی زبان سے بِل میں حملہ کرتا اور چیونٹیوں کی بستی تہس نہس کر ڈالتا۔

ملکہ چیونٹی، انڈوں اور ایک دوسرے کی حفاظت کے پیشِ نظر سب چیونٹیوں کو جلد از جلد کچھ کرنا تھا۔ ملکہ کی صلاح کے مطابق سپاہی چیونٹیاں ایک جانب دوڑیں۔ کچھ فاصلے پر جنگل میں چند افراد کام میں مصروف تھے۔ چیونٹیوں کے گروہ نے انھیں کاٹنا شروع کیا تو وہ کام کاج چھوڑ کپڑے جھاڑتے ہوئے ادھر ادھر اُچھلنے لگے۔ اسی اُچھل کود میں ان کی نظر دم لہراتے ہوئے خراماں خراماں چلتے فلس دار مور خور پر پڑی اور ان کی آنکھوں میں چمک کوندی۔

سپاہی چیونٹیوں نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ وہ چپکے سے بستی کی طرف چل دیں، جب کہ لاٹھیاں لہراتے آدمی مور خور کی طرف اس کا شکار کرنے بھاگے۔ انسانوں کے لیے پینگولین ایک بے ضرر جانور تھا، مگر وہ اسے خطرناک گردان کر اس کی پیش قیمتی چِھلکے نما کھال کے حصول کی خاطر فلس دار مور خور کو مار ڈالتے تھے۔ چھلکے نما کھال ادویات اور دوسری اشیا کی تیاری میں استعمال ہوتی تھی۔

پینگولین انسانوں کی صورت میں دشمنوں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر ہوشیار ہوا اور جنگل کی طرف بھاگا۔ اب اسے اپنی جان بچانے کے لیے محفوظ ٹھکانے تک جلد از جلد پہنچنا تھا۔ دوسری جانب چیونٹیاں ملکہ چیونٹی، انڈوں اور کالونی کو بچانے کی کوشش میں کام یاب ہو کر بِل میں جا چُھپیں۔ سنہری ملکہ چیونٹی نے اپنی ذہانت، بروقت فیصلے اور کارکن چیونٹیوں کی مدد سے پوری کالونی کو بچالیا تھا۔

انسان دوست درخت

سمیرا انور

آج سومی پیارے بچوں کو ایک ایسے درخت کے بارے میں معلومات فراہم کرے گی، جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ انسان دوست ہے۔ مقامی اور دیہاتی زبان میں اسے ٹاہلی اور کتابوں میں شیشم کہا جاتا ہے۔ آیئے! سومی کے پاس چلتے ہیں جو اپنے ساتھیوں کے ہم راہ شیشم کے درخت کے انٹرویو کے لیے ہمارا انتظار کر رہی ہے۔

السلام علیکم دوستو! آج ہم ایک ایسے درخت کا انٹرویو کریں گے، جس کی چھاؤں سے ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے، جسے انسان کا گہرا دوست کہا جاتا ہے۔

پیارے شیشم کیسے ہیں؟ آج ہم آپ کی مہمانوازی کریں گے اور آپ کا ایک یادگار انٹرویو لیں گے۔ سومی نے شیشم کے درخت کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

جی ضرور سومی! آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش ہو گی۔ شیشم کا جواب سن کر سومی نے گوشو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے مائیک لیا۔ لالی نے بھی اپنی ڈائری کھول لی۔

”سب سے پہلے اپنا تعارف کرایے۔“ سومی نے کہا۔

پاکستان سمیت دنیا کے کئی ممالک میں پایا جاتا ہوں۔ میری بلندی 10 سے لے کر 30 میٹر تک ہے اور تنے کا گھیراؤ ا میٹر تک ہوتا ہے۔ نومبر دسمبر میں میرے پتے گر جاتے ہیں اور جنوری فروری میں نئے آتے ہیں۔ پتے شروع میں ہلکے سبز ہوتے ہیں جو بعد میں گہرے سبز ہو جاتے ہیں۔ مارچ اپریل میں مجھ پر پھول آتے ہیں۔ میں نہ صرف فرنیچر سازی میں کام آتا ہوں، بلکہ مختلف امراض کا شافی علاج بھی پایا جاتا ہے۔ شیشم نے تفصیل سے اپنا تعارف بیان کیا۔

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے تیل کی خوش بو سر درد میں کمی پیدا کرتی ہے۔“ شیشم نے سومی کی بات سن کر سر ہلایا۔

”ہاں، بالکل! تیل کی خوش بو میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی بو نہ صرف سر درد کو دور کرتی ہے، بلکہ ذہنی دباؤ اور تناؤ کو ختم کر کے ذہن کو پُرسکون بناتی ہے۔ اس کے علاوہ تیل میں کیڑے مار خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں، یہ مچھر، جوویں، پسو اور چیونٹی وغیرہ جیسے حشرات الارض کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے تیل کا سپرے پانی کے تالابوں پر کیا جائے تو وہاں مچھر وغیرہ کی افزائش رُک جائے گی، جِلد پر لگانے سے مچھر قریب نہیں آئیں گے۔“ شیشم نے اپنے تیل کی خصوصیات گنوائیں۔

”واہ! یہ تو بہت عمدہ معلومات ہیں۔ اچھا اگلا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی شیشم کے درخت معدوم ہوتے جا رہے ہیں؟“ سومی کا سوال سن کر شیشم کا درخت اداس ہو گیا اور بولا: ”انیس سو نوے کی دہائی میں درخت کو لگنے والی بیماری کی وجہ سے اس وقت پنجاب میں لگائے گئے زیادہ تر درخت خشک ہو گئے ہیں، جو رہ گئے ہیں وہ اتنے کم ہیں کہ فرنیچر اور دیگر شعبوں کے لیے لکڑی کی طلب پوری نہیں کر سکتے جبکہ شیشم کی لکڑی مضبوط، پائیدار اور لچک دار ہونے کی وجہ سے زیادہ پسند کی جاتی ہے۔“

”ویسے اب اس بیماری کا شکار ہونے والے درختوں کی تعداد کہاں تک پہنچ گئی ہے؟“ سومی نے پوچھا۔

”ماہرین جنگلات کے مطابق پچھلے 20 سال میں پنجاب میں بیماری سے متاثر ہونے والے شیشم کے درختوں کی تعداد 55 فی صد تک پہنچ گئی ہے، جس سے کسانوں کی کمائی کا ایک بڑا ذریعہ ختم ہونے کو ہے۔ شیشم کی قدرتی طور پر براؤن لکڑی میسر نہ ہونے کی وجہ سے فرنیچر سازی کی صنعت بری طرح متاثر ہوئی ہے اور اب عوام اسٹیل اور شیشے سے تیار فرنیچر خریدنے پر مجبور ہیں۔“ شیشم کی بات سن کر سومی سوچ میں پڑ گئی۔

”اس بیماری کی تشخیص کرنا ہو گی، ورنہ اس طرح تو ہم شیشم کے درختوں سے بالکل ہی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔“ سومی کی بات سن کر شیشم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”عالمی ادارہ خوراک و زراعت کی مدد سے پشاور اور فیصل آباد کے تحقیقاتی اداروں کے ساتھ زرعی یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے شیشم کی بیماری کی وجہ ڈھونڈ لی ہے اور بیماری سے پاک بیج بھی تیار کرنے کا دعوی کیا ہے، لیکن شیشم کے درختوں کو جوان ہونے میں کم از کم 25 سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ سائنس دان بیماری سے پاک شیشم کی قلمیں فراہم کریں اور دیہی علاقوں کے علاوہ سڑکوں کے کناروں پر زیادہ سے زیادہ شیشم لگایا جائے۔“

”ہاں یہ بالکل ٹھیک بات ہے، ورنہ ہم اس بڑھتی ہوئی بیماری کی وجہ سے شیشم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔“ سومی نے یہ کہتے ہوئے انٹرویو ختم کیا اور شیشم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں کے ہم راہ اپنے گاؤں کی طرف بڑھ گئی۔

جاسوس بلی

محمد فیصل علی

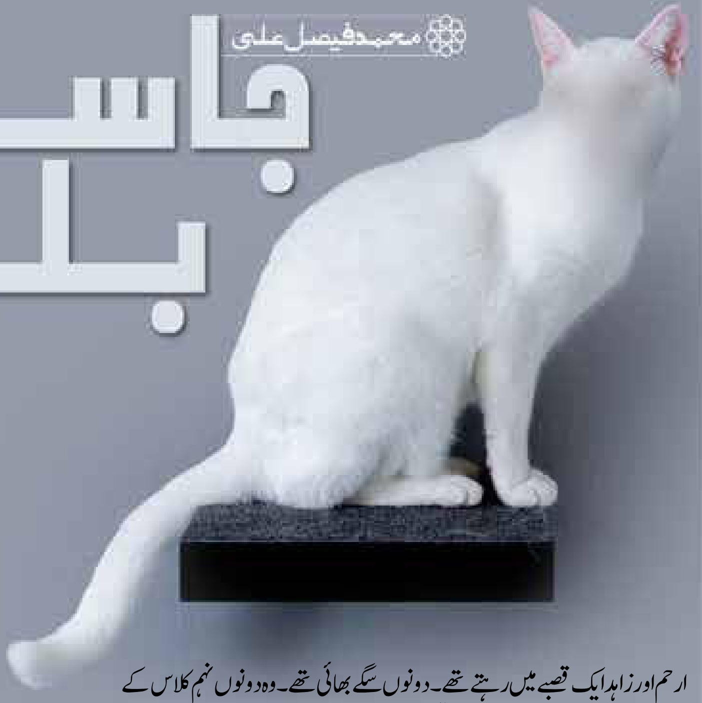

ارحم اور زاہد ایک قصبے میں رہتے تھے۔ دونوں سگے بھائی تھے۔ وہ دونوں نہم کلاس کے طالب علم تھے۔ ان کی محبت مثالی تھی۔ ان کا بچپن سہانا گزر رہا تھا۔ صبح اسکول جانا، اسکول سے واپسی پر مسجد جا کر قاری صاحب سے قرآن پاک پڑھنا، عصر کے بعد کھیلنا کودنا اور گھر کے کام کاج میں امی ابو کی مدد کرنا۔ یہ تھے ان کے یومیہ معمولات، وہ اپنی زندگی میں مگن تھے۔ ان کے والدین ان سے بے حد خوش تھے، کیوں کہ وہ ان کا کہا مانتے تھے، اس کے علاوہ ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے گھر آنے والے جانوروں اور پرندوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ پرندوں کو دانہ دنکا ڈالتے تھے، جبکہ دیگر جانوروں کو بھی خوراک مہیا کرتے تھے، اگرچہ یہ جانور ان کے پالتو نہیں تھے، لیکن پھر بھی وہ ان کی خبر گیری کو فرض جانتے تھے، جبکہ ان کا پالتو جانور تو ایک بلی تھی، بہت ہی خوب صورت بلی جس کا پیلا رنگ اور نیلی آنکھیں تھیں، وہ روزانہ بلی کو دودھ پلاتے تھے، یہ بلی کافی عرصہ سے ان کے گھر تھی، یہ بلی عام بلیوں سے کافی مختلف تھی، شاید کسی خاص نسل سے تعلق رکھتی تھی، لگتا ایسے تھا کہ یہ سدھائی ہوئی بلی ہے، کیوں کہ وہ کام ہی ایسے کرتی تھی کہ سب حیران رہ جاتے، کبھی ایسا ہوتا کہ بلی صاحبہ موٹر سائیکل پہ بیٹھی اگلی دونوں ٹانگیں ہینڈل پہ رکھے ہوئے ہے، کبھی کسی کی نقالی کر رہی ہے، کبھی گیند منہ میں پکڑے اسے ادھر ادھر اچھال کر کھیل رہی ہے، کبھی عجیب انداز میں میاؤں میاؤں کر رہی ہے، یوں یہ بلی ارحم اور زاہد کا کھلونا بنی ہوئی تھی۔ وہ اسے اپنا دوست مانتے تھے اور اس کا دوستوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔

وہ ایک خوب صورت شام تھی۔ اتوار کا دن تھا۔ ارحم اور زاہد دودھ کا پیالہ لیے بیٹھے بلی کا انتظار کر رہے تھے۔ بلی روزانہ وقت پہ آتی، دودھ پیتی اور اس کے بعد کافی دیر "میاؤں، میاؤں" کرتی رہتی، گویا ان کا شکریہ ادا کرتی۔ یہ سب دیکھ کر انھیں روحانی تسکین ہوتی، آج بھی وہ بلی کا انتظار کر رہے تھے، مگر بلی نہ آئی حالاں کہ وہ روزانہ وقت پہ ہی آ جایا کرتی تھی، جب کافی دیر ہو گئی اور بلی نہ آئی تو وہ اٹھ کر گھر کے کونے والے اپنے اسٹور روم میں جا پہنچے کیوں کہ وہ بلی وہیں رہتی تھی، مگر وہاں بھی بلی نہیں تھی، اب تو انھیں تشویش ہونے لگی۔

"کیا خیال ہے؟ ایک نظر باہر دیکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ بلی باہر مہمان خانے کے ارد گرد ہو؟"

ارحم نے کہا تو زاہد سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ دونوں باہر آئے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے: "کیا تلاش کر رہے ہو؟"

انھوں نے مانوس سی آواز سنی، وہ مڑے تو دیکھا ان کا محلے دار اور کلاس فیلو زبیر کھڑا تھا۔

"یار!! ہماری بلی کھو گئی ہے، اسے تلاش کر رہے ہیں۔" زاہد نے جواب دیا۔

"اچھا، وہی پیلی سی، نیلی آنکھوں والی؟" زبیر نے استہزائیہ انداز میں کہا تو دونوں چونک پڑے۔

"تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟؟" زاہد نے پوچھا۔

"ہاں دیکھا ہے، ناک میں دم کر رکھا تھا اس نے، ہمارے گھر آ کر ہماری بلی سے لڑتی تھی، میری امی بہت تنگ تھیں اس لیے..... " زبیر کہتے کہتے رک گیا۔

"اس لیے کیا؟؟؟" ارحم کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"اس لیے اسے پکڑ کر باہر پھینک آئے ہیں، خس کم جہاں پاک۔" زبیر نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا!!!!!!" وہ دونوں ایک ساتھ چلّائے۔

"اوہو کیا ہو گیا تمھیں، ایک بلی ہی تھی، کہیں رہ لے گی وہ۔" زبیر نے منہ بنایا۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، کہاں چھوڑا ہے آپ نے اسے؟؟" ارحم نے پوچھا، اس نے آواز کو حتی الوسع نرم بنانے کی کوشش کی تھی، مگر اس کے لہجے سے غصہ ٹپک رہا تھا۔

"بھائی غصہ نہیں، ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔"

زاہد نے بھائی کا کندھا دبا کر سرگوشی کی تھی، پھر وہ زبیر سے بولا: "دوست، صرف اتنا بتا دیں آپ نے اسے کہاں پھینکا ہے۔"

"ریلوے لائن کے ساتھ، اسٹیشن پہ۔" زبیر نے کہا اور چلتا بنا۔

"آؤ بھائی چلیں۔" زاہد نے بھائی کا ہاتھ پکڑا، انھوں نے اپنی سائیکل نکالی اور روانہ ہو گئے۔

یہ ریلوے اسٹیشن ان کے گھر سے سات کلومیٹر دور تھا۔ ریلوے اسٹیشن بھی ویرانے میں ہی تھا، ارد گرد درخت ہی درخت تھے، شام ڈھل رہی تھی، زاہد اور ارحم اپنی سائیکل پر سوار تھے، سائیکل ٹیڑھے میڑھے راستوں پر دوڑی جا رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ اسٹیشن کے ارد گرد جگہوں میں اپنی بلی کو تلاش کر رہے تھے۔ ریلوے ٹریک کے ارد گرد تو کچھ نہ ملا مگر جب وہ پٹڑی سے اتر کر درختوں کے جُھنڈ میں پہنچے تو انھیں میاؤں کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"اوہ" وہ چونکے۔

اور مزید آگے بڑھ گئے، آواز ایک بار پھر سنائی دی تھی، اب کی بار آواز زیادہ واضح تھی، وہ آواز کی سمت میں آگے بڑھنے لگے۔

"وہ دیکھو، وہ رہی۔" ارحم نے پُرجوش آواز میں کہا۔

زاہد بھی اُدھر مڑا۔ سامنے ہی ان کی بلی موجود تھی۔ بلی بھاگی بھاگی آئی اور ان کے قدموں میں لوٹنے لگی۔ زاہد بیٹھ کر اسے چمکارنے لگا، اسی اثنا میں بلی اٹھی اور ایک طرف چل پڑی، وہ اسے پچکار کر اپنے پاس بلانے لگے، مگر وہ تو آگے ہی بڑھی جا رہی تھی۔

مجبوراً وہ دونوں اس کے پیچھے لپکے۔۔۔

بلی کچھ دیر چلتی رہی، وہ درختوں کے بیچوں بیچ پہنچ گئے تھے، اب تو انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جنگل میں آ گئے ہوں، چاروں طرف گھنے درخت تھے، بلی ایک درخت کی جڑ کے ساتھ رک گئی تھی اور پنجوں سے گھاس پھونس ہٹا رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہے یہ؟" زاہد حیران تھا۔

وہ آگے بڑھ کر دیکھنے لگے۔ بلی نے گھاس پھونس ہٹا لیا تھا، اگلا لمحہ حیران کن تھا، گھاس کے ہٹتے ہی نیچے کھدی ہوئی نرم زمین نظر آ رہی تھی، جیسے کسی نے گڑھا کھودا ہو اور اس کے بعد اوپر نرم مٹی ڈال کر اسے برابر کیا ہو۔ بلی "میاؤں میاؤں" کرتے ہوئے وہاں پنجے مار رہی تھی۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟" ارحم کی آواز لہرائی۔

"دیکھنا پڑے گا۔" زاہد اکڑوں بیٹھ کر بولا اور پاس پڑی لکڑی سے نرم مٹی ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی لکڑی ایک سخت چیز سے ٹکرائی۔ ارحم اور زاہد نے آگے جھک کر دیکھا اور پھر حیرت سے ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سامنے لوہے ایک چھوٹا سا صندوقچہ تھا جو گڑھے میں دبا ہوا تھا اور اس پہ لگا تالا بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

"اُف میرے خدایا یہ کیا ہے؟؟" ارحم کی کانپتی آواز سنائی دی۔

"شاید قدرت ہمیں یہاں کسی کی مدد کے لیے لائی ہے۔ اب میری بات سنو کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔"

زاہد نے کہا اور پھر وہ ارحم کو سمجھانے لگا۔ اس کی باتیں سن کر ارحم کا چہرہ کھل اٹھا، انھوں نے صندوقچہ اٹھا لیا اور گڑھا پہلے کی طرح پر کر دیا۔ اب وہ بلی کو ساتھ لیے واپس گھر جا رہے تھے۔

پولیس اسٹیشن پر ارحم، زاہد اپنے ابو کے ہم راہ موجود تھے۔ میز پر صندوقچہ رکھا ہوا تھا، جس میں زیورات اور نقدی کا ڈھیر پڑا تھا۔ یہ سونا اس علاقے کے سیٹھ ارقم خان کا تھا جو ایک روز قبل ہی چوری ہوا تھا اور اس کی رپورٹ درج کی جا چکی تھی، سیٹھ ارقم خان بھی اسٹیشن پہنچ گئے تھے اور علامات سے اپنا مسروقہ مال شناخت کر چکے تھے، ہوا یوں تھا کہ جس وقت چور صندوقچہ زمین میں دبا رہا تھا، عین اسی وقت بلی نے اسے دیکھ لیا تھا، چوں کہ یہ ایک خاص بلی تھی، اس لیے وہ اپنے مالکان یعنی زاہد اور ارحم کو بھی وہاں لے گئی، اس طرح سیٹھ ارقم خان کا مال بازیاب ہو گیا۔ اب ایک کام رہ گیا تھا، وہ تھا مجرموں کو پکڑنا، پولیس انسپکٹر نعیم بخاری صاحب نے اپنے دو سپاہی درختوں والی جگہ پر تعینات کر دیے تھے کہ جیسے ہی مجرم اپنی چھپائی ہوئی چیز نکالنے آئیں گے، انھیں دھر لیا جائے گا اور پھر انھیں موبائل پر اشارہ ملا۔۔۔

"آیئے! اس معاملے کو منطقی انجام تک پہنچائیں۔"

انسپکٹر صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور وہ سب گاڑیوں پہ بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ مجرموں کے سامنے تھے۔ یہ چار لوگ تھے، جن کے منہ لٹکے ہوئے تھے، ان کے پاس سوائے اعتراف کے اور کوئی راستہ نہ تھا، سیٹھ ارقم خان بہت خوش تھے، وہ ایک بہت بڑے نقصان سے بچ گئے تھے۔ انھوں نے ارحم اور زاہد کا شکریہ ادا کیا اور انھیں خصوصی تحائف سے نوازا، جس وقت پولیس مجرموں کو ہتھکڑیاں لگا رہی تھی، اس وقت "جاسوس بلی" بھی ارحم کے ساتھ کھڑی تھی، وہ تیزی سے آگے بڑھی اور صندوقچہ چھپانے والے شخص کے پاس جا کر زور زور سے "میاؤں میاؤں" کرنے لگی، جیسے اس کی حالت پہ افسوس کر رہی ہو، اس کی یہ حرکت دیکھ کر سبھی کھِلکھِلا کر ہنس پڑے۔

شریر ٹونی

سائرہ شاہد

"ارے! پیٹ کیوں پکڑ رکھا ہے؟"

بوبی نے پریشانی سے اپنے چھوٹے بھائی ٹونی کے پیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پیٹ کیوں پکڑا جاتا ہے؟" ٹونی نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اُلٹا سوال کیا۔

"ہوووں۔۔ جب زیادہ ہنسو تو پیٹ میں درد ہوتا ہے اور ہم پیٹ پکڑ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب بیمار ہوں اور ہمارے پیٹ میں درد ہو تب بھی پیٹ ہی پکڑا جاتا ہے۔" بوبی نے سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنکھیں مٹکا مٹکا کر جواب دیا۔

"اللہ! میرا پیٹ۔" ٹونی نے اپنا پیٹ پہلے سے زیادہ بھینچا اور زور سے چلایا۔

"چلو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں تمھیں۔" بوبی نے اُسے پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے اور بھوک سے پیٹ میں درد ہے، میں جا رہا ہوں کھانا کھانے۔" ٹونی نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا اور باہر جانے لگا۔

بوبی نے اسے روکنے کے لیے اُس کی دم پر پاؤں رکھا تو ٹونی نے شور مچا دیا۔

"وہاں وہاں، وہ دیکھو وہ چھپے ہوئے ہیں۔" حاشر نے چوہے کی آواز سُنی تو اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

چھ سالہ حاشر اور پانچ سالہ اشعر دو بہادر بھائی تھے۔ وہ چھوٹی موٹی چیزوں یعنی شہد کی مکھی، بھِڑ، بچھو اور چوہوں سے بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ کچھ دن سے اُن کے گھر میں دو چوہے آئے ہوئے تھے، جو ہر وقت کھٹر پٹر کرتے رہتے تھے۔ ایک چوہا ٹونی بہت شرارتی تھا اور جان بوجھ کر اُن کی چیزیں خراب کرتا تھا۔ کئی دن سے حاشر اور اشعر اُن چوہوں کا پیچھا کر رہے تھے، بالآخر آج انھیں پتا چل گیا کہ وہ دونوں کہاں چھپے ہیں۔

"آج ہماری خیر نہیں ہے اور یہ سب کچھ تمھاری حرکتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔" بوبی نے پریشانی سے کہا۔

"ڈرو نہیں بھائی! جلدی سے نکل جاتے ہیں۔"

ٹونی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور جلدی سے اشعر اور حاشر کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ دونوں اُس کے پیچھے بھاگے، لیکن جیسے ہی ٹونی صحن میں گیا، ایک کوے نے اُسے جھپٹا مارا اور اپنی چونچ میں لے کر اُڑ گیا۔

"ہائے اللہ! یہ مجھے کہاں لے کر جا رہا ہے؟"

ٹونی پریشانی سے سوچ ہی رہا تھا کہ کوے نے اپنا منہ کھولا اور ٹونی اونچائی سے یک دم نیچے آن گرا۔

"اوئی میری ٹانگ۔"

اُس نے کراہتے ہوئے دہائی دی کیوں کہ اُس کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی تھی اور باقی جسم بھی زخمی ہو گیا۔ وہ وہیں پر پڑا کراہتا رہا اور اپنی شرارتوں پر شرمندہ ہوتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ ہمت کر کے اُٹھا اور ٹانگ گھسیٹ کر چلنے لگا کیوں کہ اُس نے اپنے رہنے کے لیے نئی جگہ جو تلاش کرنی تھی۔

"کوا ہمارے چوہے کو کہاں لے گیا ہو گا بھیّا؟" اشعر نے سوال کیا۔

"کہیں پر پھینک دیا ہو گا اور یہی اُس کی شرارتوں کی سزا ہے۔"

حاشر نے سمجھ داری سے جواب دیا تو بوبی نے اُن کی بات سُن لی۔

"او میرے شرارتی بھائی، کاش! تم شرارتیں نہ کرتے تو ہم دونوں یہاں مزے سے رہتے۔"

بوبی نے اُداس ہو کر سوچا اور اُس گھر سے دور چلا گیا، تاکہ اپنا نیا ٹھکانہ تلاش کر سکے۔

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے تعاون سے آئیں اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:
- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

شرائط:
- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

+92 333 4632340 | +92 021 35290156

پانڈا

فوزیہ خلیل

کاشر کی جماعت میں ایک نیالڑکا داخل ہوا۔ کاشر کی جلد ہی اُس سے دوستی ہوگئی۔ اُس کا نام فرحان تھا، اُس کے نانا نانی کا تعلّق چین سے تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر چھٹیوں میں اپنے والدین کے ہم راہ چین چلا جاتا تھا۔

اس مرتبہ جب وہ چھٹیاں گزار کر چین سے لوٹا تو سب نے فرحان کو گھیر لیا۔

”بھئی فرحان یہ بتاؤ، تم کو چین میں سب سے زیادہ کیا پسند آیا؟“ کاشر اُس سے پوچھ رہا تھا۔

”پانڈا، مجھے پانڈا بہت پسند آیا۔“ وہ بولا۔

”پانڈا! یہ کیسا ہوتا ہے؟“ ندیم نے پوچھا۔

”ارے! تم نے کبھی تصویر میں بھی پانڈا نہیں دیکھا۔ یہ بہت پیارا لگتا ہے، دور سے ریچھ جیسا نظر آتا ہے، لڑھکتا ہوا، پتے کھاتا ہوا چلتا ہے۔ گول مٹول سا، لمبا سا ڈھلوان پہاڑی سے اُترتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پھسل رہا ہو۔“ کاشر نے جلدی جلدی کہا۔

”فرحان! تم نے چین میں پانڈا دیکھا؟“ ندیم نے بے چینی سے سوال کیا۔

”ہاں، میں نے دیکھا، یہ چین میں بانس کے جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ یہ بانس کے درختوں کے جُھنڈ میں گیلی مٹی کھود کر گڑھا بنا کر اُس میں چھپا رہتا ہے۔ یہ تنہائی پسند جانور ہے۔ اکیلا رہنا پسند کرتا ہے۔“ فرحان نے جواب دیا۔

”اور اور اُس میں کیا خاص بات ہوتی ہے؟“ کاشر بولا۔

”اُس کے اگلے پنجوں میں ۶ انگلیاں اور ایک چھوٹا انگوٹھا ہوتا ہے، جس کی مدد سے یہ انسان کی طرح بانس کے درختوں کی شاخیں پکڑتا ہے اور چھیلتا ہے۔ تقریباً تمام پانڈے بانس کے پتے، کونپل اور سبز پتے کھاتے ہیں۔ البتہ بہت کم یہ چھوٹے جانور جیسے چوہے وغیرہ بھی کھا لیتے ہیں۔“

”کیا یہ پانی میں تیر سکتا ہے۔“ یہ علی کا سوال تھا۔

پانڈا پانی میں تیر سکتا ہے، لیکن یہ پانی سے دور ہی رہتا ہے۔ یہ ریچھ کی طرح اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہ چڑھائی پر باآسانی چڑھ جاتا ہے۔

کاشر اور اُس کے دوستوں کو پانڈے کے بارے میں باتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں، ابھی تک وہ پانڈا کو صرف تصویروں میں ہی دیکھتے آئے تھے۔

”کیا پانڈے دن کے اوقات میں آرام کرتے ہیں؟“ ندیم نے پوچھا۔

”پانڈا دن میں تقریباً 13-14 گھنٹے سو کر گزارتا ہے اور باقی وقت کھانے پینے اور سستی سے ایک جگہ بیٹھ کر وقت گزارتا ہے۔ دن کو یہ کم ہی دکھائی دیتا ہے، البتہ رات کے وقت اس کی نظر خاصی تیز ہوتی ہے، اس کی سونگھنے کی صلاحیت بھی بہت اچھی ہے۔“

سنا ہے اس کا قد بہت لمبا ہوتا ہے اور کھال بھی بہت موٹی ہوتی ہے۔“ علی نے پوچھا۔

”اس کا قد 6 فٹ تک ہو سکتا ہے اور ہزار کلو گرام تک وزنی ہو سکتا ہے۔ اس کی کھال اس لیے موٹی ہوتی ہے، تاکہ یہ شدید سردی سے محفوظ رہ سکے۔ اس کی موٹی کھال پر پانی یا نمی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، اس کی کھال تقریباً ۴ انچ موٹی ہوتی ہے۔“

”اس کے بچے کیسے ہوتے ہیں؟“ ندیم نے سوال کیا۔

”مادہ پانڈا موسمِ بہار میں ایک یا دو بچے دیتی ہے۔ پیدائش کے وقت یہ بچے بے حد چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ ایک چوہے کی جسامت کے ہوتے ہیں، تقریباً سو گرام۔ ماں ان کو تقریباً ڈیڑھ سال تک اپنے پاس رکھتی ہے۔ ننھے پانڈے گلابی اور اندھے ہوتے ہیں، ان کے جسم پر بال نہیں ہوتے۔“

”کیا پانڈے کو چڑیا گھروں میں رکھا جاسکتا ہے؟“ کاشر بولا۔

پہلے تو دنیا والوں کو پانڈے کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ یہ صرف چین میں ہی ہوتا تھا۔ یورپ کو تو کافی بعد میں پانڈے کے بارے میں پتا چلا۔ پانڈے کو چڑیا گھروں میں رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی خوراک زیادہ ہے۔ یہ ایک دن میں تقریباً 15 سے 30 کلو خوراک کھا جاتا ہے۔ اس کو کھانے کے لیے تازہ بانس کے درخت مہیا کرنا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ پانڈا نیپالی زبان کا لفظ پونیا سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں کھانے والا جانور۔“ فرحان بولا۔

”کیا چین میں اس کا بہت خیال رکھا جاتا ہے؟“ بچوں نے پوچھا۔

”ہاں، چین میں پانڈے کو مارنے کی سزا 20 سال عمر قید ہے۔ دراصل پانڈا ان جانوروں میں سے ہے، جو معدومی کے خطرے سے دوچار ہیں۔ چینی حکومت نے اس کے شکار پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ چین میں پانڈا کی آبادی کے لیے کئی تحقیقاتی مراکز قائم کیے گئے ہیں۔“ فرحان نے بتایا۔

”میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ دنیا بھر میں پائے جانے والے تمام پانڈے چین کی ملکیت ہیں۔“ کاشر بولا۔

بچوں نے یہ سن کر بہت حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں، یہ بات بہت حیران کُن ہے کہ تمام پانڈے چین کی ملکیت ہیں، چین سے باہر تمام پانڈے چین نے لیز پر حاصل کر رکھے ہیں۔ WWF کے مطابق اس وقت دنیا میں تقریباً ۱۹ سو پانڈے ہیں۔“

”اور کوئی دل چسپ بات؟“ ندیم نے مارے بے چینی کے پوچھا۔

”پانڈا درختوں پر چڑھنا پسند کرتا ہے اور 7 ماہ کا پانڈا درختوں پر چڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے درخت پر چڑھ جاتے ہیں، کچھ پانڈے تو درختوں پر سو بھی جاتے ہیں۔ پانڈے ٹھنڈ سے بالکل نہیں گھبراتے۔ یہ شدید سردیوں میں بھی چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ 40 ڈگری پر بھی انھیں بانس کے جنگلات میں دیکھا جاسکتا ہے۔“ فرحان بولا۔

کاشر اور اُس کے ہم جماعت تمام گفتگو کو بہت غور سے سن رہے تھے۔ وہ سب ہی یہ سوچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کیا کیا پیدا فرمایا ہے۔ ہر جاندار دوسرے سے بالکل جدا ہے، سب کے خواص مختلف ہیں۔ بس انسان ہے کہ غور و فکر نہیں کرتا۔

بچوں کے فن پارے

عمیر کاشف ، سوم ،9 سال ماوی اسکول کراچی

ذیشان ، چہارم گورنمنٹ بوائز پرائمری اسکول کراچی

دعا اقبال ،ہشتم جی جی ایس ایس مسلم ایسوسی ایشن

عائشہ گوہر اسلام آباد

شعیب اعظم ،چہارم گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول کراچی

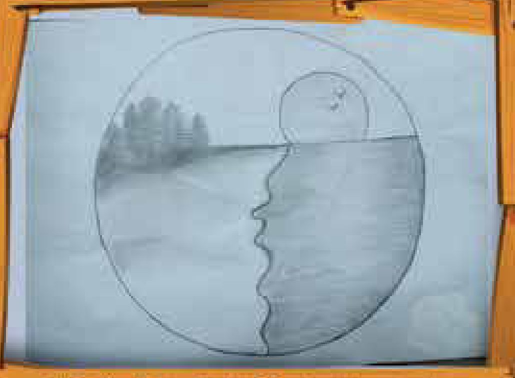

معاویہ حمید درجہ حفظ جامعہ بیت السلام کراچی

مرتضی عتیق گورنمنٹ بوائز پرائمری اسکول کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ **مبشرہ** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

اگلا مہینا مارچ ہے، جس کی غالباً24 تاریخ کو رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو گا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کوئی شادی بیاہ یا ویسے ہی کوئی تقریب ہو چھوٹی عید ہو یا بقر عید 14 اگست ہو یا کوئی اہم موقع کتنے دن پہلے اس کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے۔ایسے ہی ہمیں سب سے عظیم اور مبارک مہینے رمضان کی تیاری پہلے سے کرنی چاہیے ۔ یہ تیاری کیسے کی جاتی ہے؟ ہم کھانے پینے کی مقدار میں کمی کر سکتے ہیں، نوافل اور تلاوت کی مقدار بڑھا سکتے ہیں رات کو جاگنے اور تہجد کا معمول اگر نہیں تو اس کی عادت بنانے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے جاگنے کا معمول بنانا چاہیے فجر کی نماز کی تیاری کر کے تلاوت اور ذکر میں وقت گزارنا چاہیے جو لوگ ایسا نہیں کرتے، انہیں رمضان کے شروع دنوں میں بہت دقت ہوتی ہے اور جب تک ان کی عادت بنتی ہے کئی روزے گزر جاتے ہیں۔ جس مسجد میں آپ نماز پڑھتے ہیں، اس مسجد کے امام صاحب سے مل کر رمضان کی تیاری کے معاملے کو سمجھنا چاہیے اور رمضان سے کچھ دن پہلے مسجد میں زیادہ وقت گزارنے کی عادت بنانی چاہیے۔ رمضان سے پہلے عموماً مسجد کی صفائی اور فرش وغیرہ دھونے کا معمول ہوتا ہے آپ بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ سارے کام رمضان کی تیاری میں آتے ہیں۔

آپ بھی کریں گے نا ایسا ہی !!!

ماہنامہ فہم دین فروری 2023ء کے سوالات

سوال 1: شہد کے ایک چھتے میں کتنی مکھیاں ہوتی ہیں؟

سوال 2: ارحم عفان کے گھر پہنچا تو اس نے کیا دیکھا؟

سوال 3: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کی عمر شریف کیا تھی؟

سوال 4: زاہد کی مصوری والی وڈیو کتنے لوگ دیکھ چکے تھے؟

سوال 5: "چلو دوستو پندرہ منٹ رہ گئے ہیں، اب سو جاو تاکہ سنت تو ادا ہو جائے"۔یہ جملہ کس کہانی سے لیا گیا ہے؟

نومبر 2022ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: اکہ اس کے والد فوت ہوئے یا شہید

جواب 2: مال دار ہونے کی دھن سوار تھی

جواب 3: جسے اللہ عزت دیتا ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا

جواب 4: شیزان جوس

جواب 5: مکئی کے دانے

نومبر 2022ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے انعم کبریاء کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

نومبر 2022 میں عمارہ فہیم کی بلا عنوان کہانی شائع ہوئی تھی، اس کے لیے آہلہ نور کا دیا گیا عنوان انعامی قرار پایا ہے انہیں 300 روپے مبارک ہوں آہلہ نور نے عنوان دیا ہے:

سادگی میں پُرکاری

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/ مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کر لیں

03351135011

اِک آنکھ محبت کی پتلی، نگران بناڈالی اُس نے

شاعر: حمیدہ شاہین انتخاب: رشید احمد

تشکیک بھری کا گر کیسے ایقان بنا ڈالی اس نے
اک پیاسی جِندڑی زم زم کا عرفان بناڈالی اُس نے
اُس واحد نے ٹوٹے بکھرے سب حصوں کو یکجان کیا
پھر ظاہر باطن یک جائی آسانی بنا ڈالی اُس نے
اُس والی شافی کافی نے تاثیر بدل دی ہر شے کی
جو درد بڑھانے والی تھی درمان بناڈالی اُس نے
اُس رازق نے ان آنکھوں کو اک سچے خواب کا رزق دیا
میں بے آثار تہی دامن، دھن وان بناڈالی اُس نے
اُس نافع نے ہر سودے میں کچھ ایسے حصّہ داری کی
بے قیمت چیز منافع کا سامان بنا ڈالی اُس نے
اُس بخت بنانے والے نے اک لمحے میں خوش بخت کیا
اک بے بس کیسے بھاگ بھری، ذی شان بناڈالی اُس نے
اُس محیی نے رُلتا کُھلتا اک بیج تناور پیڑ کیا
ہر ڈالی اپنی رحمت کا فیضان بنا ڈالی اُس نے
اُس قادر ارحم راحیم نے سو عیب چھپا کر عزت دی
اِک آنکھ محبت کی پتلی، نگران بنا ڈالی اُس نے
اُس واجد ماجد عالم نے دل کا دروازہ کھول دیا
پھر سوچوں کی اک اک الجھن، نروان بناڈالی اُس نے
اُس دائم قائم اعلیٰ نے پہلے سب تول کیے پورے
پھر اندر اندر تن من کی میزان بنا ڈالی اُس نے
اُس ہادیٔ رہبر اکبر نے ایمان کے رستے بتلائے
پھر دنیا کی ہر بند گلی امکان بنا ڈالی اُس نے

اُس اوّل آخر ظاہر نے کردار کہانی میں ڈھالا
جو زیر تھی سارے قصے میں، عنوان بناڈالی اُس نے
اُس باسط رافع واسع نے کچھ ایسے واضح نقشے گھڑے
اک دھول بھرے منظر میں بھی پہچان بناڈالی اُس نے
اُس خالق نے کچھ نور کیا، کچھ روشن دل تخلیق کیے
اِک بے کس ان سب کی دھڑکن، اور آن بناڈالی اُس نے

پڑھتا ہوا محشر میں جب صلّ علیٰ آیا

شاعر: عبدالماجد دریابادی انتخاب: مسعود احمد

پڑھتا ہوا محشر میں جب صلّ علیٰ آیا
رحمت کی گھٹا اُٹھی اور ابرِ کرم چھایا
جب وقت پڑا نازک اپنے ہوئے بے گانے
ہاں کام اگر آیا تو نام ترا آیا
پرسش تھی گناہوں کی اور یاس کا تھا عالم
بے کس کی خبر لینے محبوبِ خدا آیا
یہ نام مبارک تھا یا حق کی تجلّی تھی
دم بھر میں ہوا فاسق ابدال کا ہم پایا
چرچے ہیں فرشتوں میں اور رشک ہے زاہد کو
اس شان سے جنت میں شیدائے نبیؐ آیا
کیوں نزع کی دشواری آسان نہ ہو جاتی
تھا نام ترا لب پر اور سر پر ترا سایا
اک عمر کی گمراہی اک عمر کی سرتابی
جز تیری غلامی کے آخر نہ مفر پایا
سمجھے تھے سیہ کار اپنی ہے فزوں حد سے
دیکھا تو کرم تیرا اس سے بھی سوا پایا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

یہ خطِ حسن ہے لوحِ جہاں پہ تیرا نام
سبک ہواؤں پہ موجِ رواں پہ تیرا نام
بشکل خوشبو فضاؤں کی جاں پہ تیرا نام
بہار بن کے ملا گلستاں پہ تیرا نام
شفق کی سرخی میں تیری نشانیاں پنہاں
لکھا ہوا ہے رخِ کہکشاں پہ تیرا نام
گلوں کی خندہ لبی میں ترے وجود کا عکس
حیات چھیننے والی خزاں پہ تیرا نام
ہے امتحانِ جگر گوشۂ رسول کریم
ہے کربلا کی دکھی داستاں پہ تیرا نام
بتا گیا ہے مجھے عشقِ سرمد و منصور
مچل رہا تھا لبِ عاشقاں پہ تیرا نام
ہزاروں نعمتیں بخشی ہیں تو نے اے مولا
متینؔ کیسے نہ لائے زباں پہ تیرا نام

(شاعر: متین عمادی)

نعت

رسول حق سبب خلقت دوعالم تھے
جہاں ظلم میں اک رحمت مجسم تھے
ہر آدمی کے لیے زخم دل کا مرحم تھے
کرم کا بحر تھے لطف و عطا کا زم زم تھے
ستمگروں کو تحمل کی حد دکھاتے تھے
وہ ظلم کرتے تھے ان پر، یہ مسکراتے تھے
ہوئے تھے ظلم میں کچھ اہل ظلم یوں بے باک
طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کو سفاک
کبھی بچھاتے تھے رستے میں خار وحشت ناک
کبھی گراتے تھے آلائش و خس و خاشاک
یہ زیر کرتے تھے یوں خلق سے شقاوت کو
وہ ظلم کرتے تھے جاتے تھے یہ عیادت کو

شاعر: ساحر لکھنوی

دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے

اس دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر اور مقدر کردیا ہے کہ اس کے لیے زندہ اشخاص برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔ کوئی درخت اس وقت تک سرسبز و شاداب اور زندہ درخت نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ وہ باثمر نہ ہو۔ اس میں نئی نئی پتیاں اور نئے نئے شگوفے نہ کھلتے رہتے ہوں۔ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کے لیے ہے اور اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، وہ دین مٹ گئے، ختم ہوگئے، جنھوں نے روحانیت کے میدان میں، علم کے میدان ،میں فکر کے میدان، میں قیادت کے میدان ،میں زندہ اشخاص پیدا کرنے بند کردیے۔ انسان زندہ اشخاص سے متاثر ہوتا ہے ، چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور چراغ سے چراغ جلنا چاہیے اور جلتے رہنا چاہیے۔

حدیث پاکستان، سیدابوالحسن علی ندوی، ص 156

کاش سے پہلے

اپنی زندگی کو سمت دیجیے، کیوں کہ یہ ایک بار ملی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ یہ قدرت کا عطیہ ہے جو ایک بار آگیا پھر نہیں آئے گا۔ انھیں لوگوں کا نام زندہ رہے گا جو اچھے کام کریں گے، اس لیے دلوں میں زندہ رہنے والے کام کیجیے۔ اپنے اندر سوال پیدا کیجیے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں، کیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں؟ اگر یہ سوال دل میں آگیا تو پھر یہ زندگی، زندگی نہیں رہے گی، عبادت بن جائے گی، لیکن اگر یہ سوال نہیں ہوگا تو پھر گھڑیاں گزریں گی، دن گزریں گے، ہفتے گزریں گے، مہینے گزریں گے اور زندگی بھی گزر جائے گی۔

آخر میں صرف ایک چیز ہوگی ------۔ کاش!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کاش اور افسوس سے بچائے۔ آمین

(اپنی تلاش، قاسم علی شاہ، ص:52)

وقت خام مسالے کی مانند ہے!

وقت خام مسالے کی مانند ہے، جس سے آپ جو کچھ چاہیں بنا سکتے ہیں، گزشتہ زمانے کے متعلق افسوس اور حسرت نہیں کرنی چاہیے کہ یہ بے سود ہے۔ آیندہ زمانے کے خواب نہیں دیکھنے چاہیں کہ یہ موہوم ہیں، وقت کو پیچھے سے نہیں پکڑنا چاہیے کہ یہ ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ آگے سے روک کر اس کو قابو میں لانا چاہیے۔

(متاع وقت کاروان علم، ابن الحسن عباسی، ص:69)

جامعہ کراچی

قیامِ پاکستان کے بعد جب کراچی کو وفاقی دارالحکومت قرار دیا گیا تو یہاں موجود سندھ یونیورسٹی کو حیدرآباد منتقل کردیا گیا۔اب ضرورت تھی کہ کراچی میں تعلیمی ضرورت کے لیے جامعہ ہو، چناں چہ 30 ستمبر 1950ء کو پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں کراچی یونیورسٹی کے قیام کا مسوّدہ قانون پیش ہوا، جو 10 اکتوبر 1950ء کو منظور ہوا اور 23 جون 1951ء کو کراچی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر پروفیسر اے بی اے حلیم تھے۔ رفتہ رفتہ سول ہسپتال کی عمارات کراچی یونیورسٹی کے عارضی کیمپس میں ضم ہوگئیں۔ فلسفہ کراچی یونیورسٹی کا پہلا شعبہ تھا، اس کے پہلے صدر پروفیسر ڈاکٹر ایم ایم (محمد محمود) تھے، پہلے کلاس میں صرف 8 طلبا تھے۔یہ یونیورسٹی 1952 میں قائم ہوئی، آنرز پوسٹ گریجویٹ تعلیم اور ریسرچ براہِ راست یونیورسٹی کے تحت ہے۔ جبکہ دیگر کورسز اور ٹیکنکل کورسز ملحقہ کالج میں ہوتے ہیں پچاس علمی شعبے 9 فیکلٹیوں (یعنی آرٹس، سائنس، انجینئرنگ وٹیکنالوجی، کاروباری، نظمیات، کامرس، اسلامیات، فارمیسی، قانون، تعلیم اور طب) کے تحت ہے۔ جرمن، فرانسیسی، ہسپانوی، ترکی اور اطلوعی زبانوں کے کورسز ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی کے تحت 12 ہزار سالانہ گریجویٹس کو اسناد ملتی ہیں۔ 1973 میں سمسٹر سسٹم رائج ہوا، اس کے وائس چانسلر میں یہ نام قابلِ ذکر ہیں۔ پروفیسر اے بی اے حلیم، پروفیسر بی اے ہاشمی، ڈاکٹر آئی اچ قریشی، ڈاکٹر محمود حسین، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر احسان رشید، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر ظفر اچ زیدی، پیرزادہ محمد قاسم (موجودہ)

(تاریخ سندھ، کامران اعظم سوہرروی، ص:405)

اشعار

بنا کر غریبوں کا ہم بھیس، غالبؔ
تماشئہ اہلِ کَرم دیکھتے ہیں
(غالبؔ)

نہ کچھ قدر ہم کو نہ زر چاہیے
فقط ایک سیدھی نظر چاہیے
(سید احمد دہلویؔ)

کیوں کہوں کیوں کر کہوں، کس سے کہوں کیا کہوں
آپ کی کیا بات ہے جو بات ہے سنجیدہ ہے
(داغؔ)

ہیں یہ سارے جیتے جی کے واسطے
کون مرتا ہے کسی کے واسطے
(رِند)

ایک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کی
کہ اگر زہر بھی دیتا ہے تو میٹھا ہم کو
(ذوقؔ)

حسرت ہے آرزوئے دل اس سے بیان کروں
مل جائے وہ کہیں مجھے تنہا کہاں نصیب
(زکی کیفیؔ)

فعل ماضی

ماضی میں کسی شخص نے جو فعل کیا ہو اُسے فعلِ ماضی کہتے ہیں۔ کرنے والا عموماً اسے بھولنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن لوگ نہیں بھولتے۔ ماضی کی کئی قسمیں مشہور ہیں۔ سب سے مشہور شاندار ماضی ہے، جس قوم کو اپنا مستقبل ٹھیک نظر نہ آئے، وہ اس صیغے کو بہت استعمال کرتی ہے۔ ایک ماضی شکیّہ ہے، جن لوگوں کا ماضی مشکوک ہو، وہ ماضی شکیہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ عموماً ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔ ماضی شرطی یا ماضی تمنائی!! جن لوگوں نے ریس میں یا تاش پر شرطیں بد بد کر اپنا ماضی تباہ کیا ہو، اُن کے ماضی کو شرطی کہتے ہیں، چوں کہ ان لوگوں کی تمنّا ہوتی ہے کہ اور پیسے آئیں تو ان کو بھی ریس میں لگائیں، اس لیے شرطی اور تمنّائی دونوں ماضیاں ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ ماضی کی دو اور قسمیں ماضی قریب اور ماضی بعید ہیں۔ ماضی کو حتی الوسع قریب نہ آنے دینا چاہیے۔ جتنی بعید رہے گی اور جتنے اس پر پردے پڑے رہیں گے۔ اتنی ہی بھلی معلوم ہوگی۔ ماضی کا بعید رہنا مستقبل کے لیے بھی اچھا ہے۔

(اردو کی آخری کتاب، ابن انشاء، ص:73)

دس اچھی خصلتیں

فقیہؒ فرماتے ہیں کہ دس خصلتیں ایسی ہیں جن سے آدمی اچھے لوگوں میں شامل ہوتا ہے اور درجے پاتا ہے۔ پہلی صفت صدقہ کی کثرت ہے۔ دوسری تلاوتِ قرآنِ پاک کی کثرت۔ تیسری ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جو آخرت کی یاد دلائیں اور دنیا سے بے رغبتی سکھائیں۔ چوتھی صلہ رحمی کرنا۔ پانچویں بیمار کی مزاج پرسی کرنا۔ چھٹی ایسے اغنیا سے میل جول نہ رکھنا جو آخرت سے غافل ہوں۔ ساتویں آنے والے دن کی فکر میں لگے رہنا۔ آٹھویں اُمیدوں میں کمی اور موت کو بکثرت یاد کرنا۔ نویں خاموشی اختیار کرنا اور ،کلام میں کمی رکھنا اور دسویں خصلت تواضع ہے اور گھٹیا لباس پہننا فقرا سے محبت کرنا، ان کے ساتھ مل جل کر رہنا، مساکین اور یتیموں کے قریب رہنا اور ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا ہے۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:51)

قومی حمیّت

ہمارے رہنما اپنی تقریروں میں بار بار قومی حمیّت اور غیرت کی بات کرتے ہیں۔ جبکہ انہیں لوگوں نے حمیّت اور غیرت دونوں کو عوام سے چھین کر انھیں مجبور اور بے بس بنادیا ہے۔

قوموں میں حمیت اور غیرت اس وقت آتی ہے کہ جب معاشرے میں طبقاتی فرق نہ ہو، طاقت ور اور کم زور کا فرق نہ ہو اور سماجی طور پر سب کو معزز سمجھا جائے، مگر اس سوسائٹی میں کہ جہاں امیر و غریب کا فرق ہو، جہاں صاحب اقتدار اور محروم طبقوں کے درمیان دوری ہو، ایک ایسے معاشرے میں طاقت ور اور صاحبِ اقتدار اپنے سے کم تر لوگوں کی روز بے عزتی کرتا ہے، ان کی غیرت و حمیّت کا خاتمہ کرتا ہے۔ اس لیے ایک ایسے ماحول میں قومی غیرت اور حمیّت کا پیدا ہونا نا ممکن ہوجاتا ہے۔

(پاکستانی معاشرہ، ڈاکٹر مبارک علی، ص:37)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر انتظام مستحق ضرورت مندوں کے لیے

موسم سرما میں کمبل اور گرم ملبوسات

رپورٹ: محمد عبداللہ

۳لاکھ کمبل، ہزار ہا گرم کپڑے اور جیکٹیں وغیرہ

بیت السلام کے زیر انتظام ہر سال موسم سرما میں ضرورت مند گھرانوں کے لیے کمبل، گرم لباس، جیکٹوں اور سویٹر وغیرہ کی فراہمی کا سلسلہ جاری جاری رہتا ہے۔ اس سال اس سلسلے کو وسیع سے وسیع تر کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ لاکھوں گھرانے جو شدید بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے اپنے گھر بار اور مال و اسباب سے محروم ہو گئے، انہیں حسب استطاعت گرم کپڑوں اور کمبل پہنچانے کا کام مشن اور تحریک سمجھ کر اانجام دیا گیا چناں چہ اس بار تقریبا ۳لاکھ کمبل تقسیم کیے گئے جب کہ ہزار ہا گھرانوں کے لیے جیکٹیں، سویٹر اور گرم کپڑے فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔

یاد رہے سیلاب اور شدید بارشوں سے متاثرہ گھرانوں کی خدمت اور ان سے تعاون کے لیے بیت السلام کے کئی منصوبے چل رہے ہیں مثلا راشن فراہمی، متعدد فری میڈیکل کیمپ جو کلینک سسٹم کی طرح چار مہینے سے زیادہ مسلسل جاری رہے۔ ہزار ہا لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ سب سے بڑھ کر بے گھر افراد کے لیے گھروں کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔

بیت السلام
BAITUSSALAM

زکوۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

تعلیم

صحت

خدمت

ہو فرض بھی ادا